منہجِ اہلِ حدیث

امام بربہاری رحمہ اللہ کی کتاب شرح السنۃ کے اہم نکات کی شرح وتوضیح



شرح
فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح العبیلان حفظہ اللہ

ترجمہ وحواشی
عثمان صفدر

المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر
جامع مسجد سعد بن ابی وقاص، نزد دشار شہید پارک وگذری پولیس اسٹیشن ڈیفنس فیز 4 کراچی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض مترجم

الحمد للہ و الصلاۃ والسلام علی رسول اللہ و علی آلہ و صحبہ ومن والاہ و بعد:

دور حاضر میں مسلمانوں کے علمی انحطاط، قرآن وحدیث سے دوری، اہل علم کی شدید قلت، اور اہل کفر وضلال کی کثرت وقوت کے سبب روز بروز ایسے نت نئے ایمان کش فتنے وجود میں آرہے ہیں، کہ الصادق والمصدوق ﷺ کا وہ فرمان یاد آجاتا ہے کہ:" آدمی صبح مومن ہوگا اور رات ہوتے ہوتے ایمان گنوا چکا ہوگا، یا رات کو مومن ہوگا اور صبح کے اجالے سے پہلے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا"۔ اور فتنے اس قدر تواتر سے آرہے ہیں کہ آپ ﷺ کی دی ہوئی مثال بالکل صادق آتی ہے کہ:" تموج کموج البحر "سمندر کی موجوں کی مانند فتنے آئیں گے۔ اور سب سے مہیب ومہلک فتنہ وہ ہے جو براہ راست انسان کے ایمان پر حملہ آور ہو۔

ایمان کی بنیاد اللہ تعالی کی وحی پر ہے اور اس وحی کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنے نفس اور عقل کو اللہ تعالی کے احکامات کے تابع کرلو۔ اب جس شخص کا نفس اور عقل وحی کے تابع ہوجائے وہ ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ ہے، اور جس کا نفس تابع نہ ہو وہ شہوات کا اسیر ہوجاتا ہے اور جس کی عقل تابع نہ ہو وہ شبہات کا شکار ہوجاتا ہے۔ اور یہی شہوات اور شبہات وہ دو دروازے ہیں جن سے ہر قسم کی گمراہی کا راستہ نکلتا ہے، اور تمام فتنوں کی آمدورفت انہی دروازوں سے ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شہوات وشبہات کے اسیر افراد کا یہ وطیرہ رہا ہے کہ انہوں نے ہمیشہ وحی الہی کو اپنے تیر وتنقید کی زد پر رکھا ہے، اور چونکہ وحی الہی دو قسم کی ہیں: (۱) وحی جلی یعنی قرآن مجید۔ (۲) وحی خفی یعنی سنت رسول ﷺ۔ اور سنت رسول ﷺ دراصل قرآن مجید کا قلعہ اور حصار ہے، اس لئے پہلا نشانہ بھی ہمیشہ سنت رسول ﷺ ہی کو بنایا جاتا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس قلعہ اور حصار کے پہلے محافظ وچوکیدار ہیں، جنہوں نے اپنے قول وعمل کے ذریعہ اس وحی الہی کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اسے چہار عالم میں پھیلا دیا، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی ان فتنہ پرور لوگوں کی تنقید وتبرا کا ہدف بنتے ہیں۔

البتہ امت مسلمہ بالخصوص علماء اسلام اپنے نورِ علم وبصیرت کی بنیاد پر یہ جان چکے تھے کہ ایمان کی حفاظت فقط وحی الہی کے ذریعہ ممکن ہے اور وحی الہی تک پہنچنے کا ذریعہ صحابہ کرام ہیں، تو مقصود قرآن حدیث پر عمل ٹھہرا اور راستہ صحابہ کرام کا منتخب ہوا اور اسی کو منہج کہا جاتا ہے۔ یعنی قرآن وحدیث پر عمل کرنا ہے تو اس طرح کرنا ہے جیسا صحابہ کرام نے کیا ہے، اور اس منہج

کے قرآن وحدیث میں ان گنت دلائل موجود ہیں، مثلا اللہ تعالی کا فرمان ہے : ﴿فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا﴾ (البقرة: 137) ترجمہ: ”اگر وہ تمہاری طرح ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے۔“ یعنی صحابہ کرام کا ایمان ہی معیار ہے، اسی طرح اللہ تعالی کا فرمان ہے : ﴿وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ (النساء: 115) ترجمہ: ”جو شخص راہ ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد بھی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے سے الگ راستہ اختیار کرے ہم اسے ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھرنا چاہتا ہے اور دوزخ میں ڈال دیں گے، وہ پہنچنے کی بہت ہی بری جگہ ہے۔“ آیت مذکورہ میں مومنین سے اولین مراد صحابہ کرام ہی ہیں۔

الغرض یہ کہ ایمان واسلام کی عمارت وحی الٰہی پر استوار ہے اور سنت رسول ﷺ اس کا قلعہ ہے اور صحابہ کرام اس کے محافظ ہیں، اب جس شخص کو فتنوں سے حفاظت اور ایمان کی سلامتی مطلوب ہے، اسے صحابہ کرام کے نقش قدم پر چل کر سنت کے قلعہ میں داخل ہونا پڑے گا، اور اسی منہج کو اختیار کرنے والوں کو اہل سنت والجماعت کہتے ہیں اور انہی کو اہل حدیث، سلفی اور اہل اثر بھی کہا جاتا ہے۔

منہج اہل سنت والجماعت یا منہج اہل حدیث صحابہ کرام کے فہم، اسلوب اور تعامل کا نام ہے، یعنی قرآن وحدیث کے نصوص کو کس طرح سمجھا جائے گا، مختلف ابواب ومسائل میں انہیں کس اسلوب میں بیان کیا جائے گا اور ان پر عمل کرنے والوں کے ساتھ اور مخالفین کا ساتھ کیا طرز تعامل ہوگا۔

منہج صحابہ وسنت کی اسی اہمیت کے پیش نظر علماء اسلام نے اس کے بیان میں اور اہل بدعت واہل باطل کے رد میں کئی کتب تالیف کیں اور انہیں "السنۃ" ہی کا نام دیا مثلا امام عبداللہ بن احمد رحمہ اللہ کی "السنۃ" امام خلال رحمہ اللہ کی "السنۃ"، امام مروزی رحمہ اللہ کی "السنۃ"، امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ کی "السنۃ" امام شاطبی رحمہ اللہ کی "اعتصام بالکتاب والسنۃ" اور انہی کتب میں ایک انتہائی مفید وموثر کتاب امام بربہاری رحمہ اللہ کی "شرح السنۃ" بھی ہے۔

امام بربہاری رحمہ اللہ کی یہ کتاب درحقیقت عقیدہ کے اہم ابواب پر مشتمل ہے، البتہ اس کی ابتداء کے چند فقرات میں منہج کے حوالہ سے بہت اہم اصول بیان ہوئے ہیں، جن کی شرح وتوضیح سعودی عرب کے شہر حائل میں رہائش پذیر معروف عالم دین فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح العبیلان حفظہ اللہ نے کی ہے۔ شیخ عبداللہ بن صالح حفظہ اللہ منہج سلف کو بیان کرنے، اس کی نشرو اشاعت اور خدمت کے حوالہ سے معروف ترین علماء میں سے ہیں، حتی کہ ماضی قریب کے کبار اہل علم شیخ البانی، شیخ ابن باز، شیخ عثیمین رحمہم اللہ اور دور حاضر کے کبار اہل علم مثلا شیخ صالح الفوزان حفظہ اللہ بھی منہج سلف کے مسائل میں شیخ صاحب کی کتب کی طرف رجوع کرنے کی نصیحت کرتے ہیں۔ شیخ عبیلان حفظہ اللہ کی یہ شرح اس لحاظ سے بھی اہم ہے کہ اس میں منہج سلف صالحین

کے اصول بیان کرنے کے ساتھ ساتھ دور جدید میں منہج کے حوالہ سے جو خرابیاں ہیں ان کی بھی نشاندہی کی گئی ہے۔ یہ کتاب علماء، طلبہ، ، دعاۃ اور عوام الناس کے لئے منہج سلف صالحین کی پہچان، اہل بدعت کی پہچان، دور حاضر کے اہم منہجی مسائل اور جدید فتنوں سے بچاو کے لئے نہایت مفید ہے۔

ادارہ ''المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر'' کے بنیادی اہداف میں سے ایک اہم ترین ہدف ''منہج سلف صالحین کی خدمت ونشر واشاعت'' بھی ہے، اسی ہدف کے پیش نظر یہ کتاب شائع کی جارہی ہے، اور اس حوالہ سے دیگر اہم کتب بھی زیر تکمیل ہیں جو کہ بہت جلد طباعت کے بعد قارئین کے ہاتھوں میں ہوں گی ان شاء اللہ۔ میں بندہ عاجز نے اپنی محدود صلاحیتوں کے ساتھ اس کتاب کا ترجمہ کیا ہے اور جہاں جہاں ضرورت محسوس ہوئی وہاں حاشیہ میں کچھ اضافہ جات بھی کئے ہیں تاکہ اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہوجائے۔ امام بربہاری کا شرح السنۃ والا کلام اوپر متن میں باکس میں ذکر کیا گیا ہے اور شیخ عبیلان کی شرح متن کے بعد ذکر کی ہے۔ میں اس کتاب کے حوالہ سے المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے شعبہ تحقیق وتالیف کے نگران فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف ﷾ کا نہایت مشکور ہوں جنہوں نے اس کتاب میں اہم مقامات پر عنوانات قائم کر کے قاری کے لئے کتاب کی افادیت کو مزید بڑھانے کے ساتھ ساتھ کتاب کا مطالعہ بھی آسان کر دیا ہے۔ میں اپنے مربی ومحسن اور استاد مکرم فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی حفظہ اللہ کا بھی نہایت مشکور ہوں کہ جنہوں نے اس کتاب پر تقریظ لکھ کر نہ صرف میری حوصلہ افزائی کی ہے بلکہ اس کتاب کی اہمیت بھی دو چند کر دی ہے۔

اس کتاب کی افادیت واہمیت کا تذکرہ اور اس پر کام کرنے کا مشورہ برادر اکرم رئیس مرکز المدینہ، محترم شیخ سعید احمد شاہ ﷾ کا تھا جو کہ بذات خود شیخ عبیلان سے ملاقات بھی کر چکے ہیں اور ان سے استفادہ بھی کیا ہے، اللہ تعالی شیخ سعید ﷾ کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ انہوں نے اس کتاب کے ترجمہ وطباعت کا خصوصی اہتمام کیا، دعا ہے کہ اللہ تعالی ہماری اس پر تقصیر کاوش کو قبول فرمالے، اس کتاب کا نفع عام بنادے، منہج سلف صالحین کے تعارف عام کا ذریعہ بنادے اور اس کتاب کو شیخ سعید حفظہ اللہ کے لئے، مجھ بندہ عاجز کے لئے اور تمام احباب المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے لئے صدقہ جاریہ بنادے۔ آمین واللہ ولی التوفیق۔

عثمان صفدر

تقریظ

از فضیلۃ الشیخ حافظ صلاح الدین یوسف ﷾

نبی کریم ﷺ کی بالعموم تین قسم کی سنتیں یا حدیثیں بیان کی جاتی ہیں۔ ❁ قولی حدیث ❁ فعلی حدیث ❁ تقریری حدیث ❁ حدیث یا سنت کی ایک اور چوتھی قسم سنتِ ترکیہ ہے جو اہل علم کے علم میں تو ہے لیکن چونکہ اس کو زیادہ بیان نہیں کیا جاتا اس لیے بہت سے لوگ اس سے نا آشنا ہیں۔

اس سنت ترکیہ کا مطلب ہے کہ ایک چیز یا عمل کا سبب نبی ﷺ کی زندگی میں موجود تھا اس سبب کے باوجود آپ ﷺ نے وہ عمل نہیں کیا۔

جیسے عہد رسالت مآب ﷺ میں لوگ فوت ہوئے، حتی کہ آپ ﷺ کی اہلیہ محترمہ حضرت خدیجہ اور آپ ﷺ کی صاحبزادی (حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اہلیہ) رضی اللہ عنہما بھی فوت ہوئیں۔ آپ ﷺ نے فوت ہونے والوں کی نماز جنازہ بھی پڑھائی، نماز میں ان کی مغفرت کی دعائیں بھی پڑھیں۔ لیکن اس سے زیادہ اور کوئی عمل فوت شدگان کی مغفرت کے لیے اختیار نہیں فرمایا۔ جیسے مثال کے طور پر سوئم، چہلم اور قرآن خوانی وغیرہ رسومات کی ادائیگی نہایت ضروری تصور کر لی گئی ہے۔ لیکن نبی ﷺ نے ایصال ثواب یا مرنے والے کی مغفرت کے لیے ان میں سے کوئی عمل نہیں کیا۔ حالانکہ سبب (لوگوں کا مرنا) موجود تھا، لیکن ایصال ثواب کے لیے مروجہ طریقے اختیار نہیں کیے گیے۔

اسی طرح عرس ہے جو ان لوگوں کی قبروں پر کیا جاتا ہے جن کو بزرگ سمجھا جاتا یا باور کرایا جاتا ہے اور یہ عرس ہر سال اس بزرگ کی یوم وفات پر منایا جاتا ہے۔ لیکن نبی ﷺ نے کسی کا سالانہ عرس نہیں منایا۔ حالانکہ اس کا سبب بھی موجود تھا۔

نبی ﷺ کا یوم ولادت ہر سال آتا رہا، منصب رسالت پر فائز ہونے کے بعد بھی کم از کم **23** مرتبہ آپ کی زندگی میں یوم ولادت آیا۔ لیکن آپ نے نہ اس کو منایا اور نہ منانے کا حکم دیا حالانکہ اس کا سبب (یوم ولادت کا آنا) موجود تھا۔

سنتِ ترکیہ کی اس وضاحت کی روشنی میں بلاخوف و تردد کہا جا سکتا ہے کہ ختم، چہلم، قُل، سوئم، قرآن خوانی وغیرہ رسومات کا نہ کرنا سنت ترکیہ اور ان کا کرنا خلاف سنت، یعنی بدعت ہے۔ سالانہ عرس نہ کرنا سنت ترکیہ ہے اور اس کا کرنا خلاف سنت یعنی بدعت ہے۔ اسی طرح یوم میلاد کو اس طرح جشن کے طور پر، جیسا کہ سالہا سال سے ہوتا چلا آرہا ہے نہ منانا سنت ترکیہ ہے اور منانا خلاف سنت، یعنی بدعت ہے۔

سنتِ ترکیہ کی یہ تعریف اور وضاحت ایک ایسی کسوٹی ہے جس پر ہر بدعت اور دین میں ہر نو ایجاد کی حقیقت نہایت آسانی سے معلوم کی جاسکتی ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح احادیث کی تینوں قسموں (قولی، فعلی اور تقریری) کو حرزِ جاں بنائے رکھا، اسی طرح سنت ترکیہ پر بھی نہایت سختی سے عمل پیرا رہے۔ اسی لیے ان کی طرف سے خیر اور بھلائی کے نام سے کسی قسم کی بدعت کا ارتکاب نہیں ہوا۔ بلکہ ان کے دور میں ان کو ایسا کوئی کام ہوتا نظر آیا تو فوراً اس پر نکیر کی اور اس کو برداشت نہیں کیا، اس کی ایک نمایاں مثال وہ واقعہ ہے جو سنن دارمی میں موجود ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے ایک مسجد میں ایک مجلسِ ذکر دیکھی جس میں اجتماعی ذکر ہو رہا تھا، یہ چونکہ ایک نئی چیز اور ذکر کا نیا طریقہ تھا جس میں ان کو تعجب ہوا، وہ فوراً ایک اور صحابی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس گئے اور ان سے جا کر کہا:

میں نے مسجد میں کچھ لوگوں کو گول دائروں میں (حلقوں) میں بیٹھے ہوئے دیکھا ہے جو نماز کا انتظار کر رہے تھے اور ان کے ہاتھوں میں چھوٹی چھوٹی کنکریاں ہیں اور دائرے میں ایک آدمی ہے جو کہتا ہے: سو مرتبہ اللہ اکبر کہو۔ لوگ اس کی اقتدا میں سو مرتبہ اللہ اکبر کہتے ہیں۔ پھر وہ کہتا ہے: سو مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کہو، پھر وہ لا الٰہ الا اللہ کہتے ہیں۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے: سو مرتبہ سبحان اللہ کہو، وہ سبحان اللہ کہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے کہا "تم نے یہ دیکھ کر کیا کہا؟" ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے کہا: "میں نے تو ان کو کچھ نہیں کہا، آپ کی رائے اور حکم کا منتظر ہوں" حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "تم نے ان کو یہ حکم کیوں نہیں دیا کہ اس کے بجائے وہ اپنے گناہوں کا شمار کریں اور نیکیاں ضائع نہ ہونے کی تم ان کو ضمانت دیتے"، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ خود (مسجد میں) تشریف لائے اور ان حلقوں (گول دائروں) میں سے ایک حلقے کے قریب کھڑے ہو کر فرمایا: "تم یہ کیا کر رہے ہو؟" انہوں نے جواب میں کہا: "ابوعبدالرحمٰن! (عبداللہ بن مسعود کی کنیت) ہم ان کنکریوں کے ذریعے سے تکبیر، تہلیل اور تسبیح گن رہے ہیں۔ عبداللہ بن مسعود نے فرمایا: "اس کے بجائے اپنے گناہ گنو، میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کوئی چیز ضائع نہیں ہوگی۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: اے امت محمد علیٰ صاحبھا الصلاۃ والتسلیم! تم کس قدر جلدی ہلاکت کی طرف چل پڑے ہو، ابھی تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ بڑی تعداد میں موجود ہیں اور آپ ﷺ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور نہ ابھی آپ کے برتن ٹوٹے ہیں (یعنی آپ کے انتقال کو زیادہ مدت نہیں ہوئی) مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے قبضے میں میری جان ہے، یا تو تم نے کوئی ایسا دین دریافت کر لیا ہے جس میں دین محمد سے زیادہ ہدایت ہے یا تم گمراہی کے دروازے کھول رہے ہو؟ انہوں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! اللہ کی قسم ہماری نیت تو صرف نیکی حاصل کرنے کی ہے۔ جواب میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کتنے ہی نیکی کی نیت سے عمل کرنے والے اس سے محروم رہتے ہیں۔ (اس کے بعد انہوں نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’کچھ لوگ ہوں گے جو قرآن پڑھیں گے لیکن ان کے حلقوں سے تجاوز نہیں کرے گا‘‘۔

ایسے لوگ شاید تم ہی میں سے زیادہ ہوں‘‘، پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وہاں چلے گئے۔ حضرت عمرو بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ جنگ نہروان میں ان (حلقہ باندھ کر ذکر کرنے والوں) کی اکثریت خوارج کے ساتھ تھی اور ہم مسلمانوں پر تیر زنی کر رہی تھی‘‘۔ [1]

اس واقعے کو دیکھ لیجیے! کہ لوگ اللہ کا ذکر کر رہے ہیں، لیکن صحابی رسول اس پر کتنا سخت ردعمل کا اظہار کر رہے ہیں اور اسے ہلاکت کا ذریعہ اور گمراہی کا دروازہ کھولنے سے تعبیر کر رہے ہیں۔

کیوں؟ کیا وہ برا کام کر رہے تھے؟ اللہ کے ذکر پر یہ برہمی کیوں؟ یہ برہمی دراصل اللہ کے ذکر پر نہیں، سنت سے انحراف پر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر کارِ خیر، اس وقت ہی کارِ خیر ہوگا جب وہ سنت کے مطابق ہوگا۔ سنت سے انحراف پر بظاہر کارِ خیر نظر آنے والا کام کارِ خیر نہیں رہے گا، کارِ شر، یعنی بدعت بن جائے گا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ منہج ہی وہ بنیاد ہے جس پر شریعتِ محمدیہ کی عمارت قائم ہے۔ اس عمارت کی حفاظت اس منہج صحابہ کے بغیر ممکن نہیں۔

اسی لیے علمائے سلف نے اس منہج صحابہ کی اہمیت پر متعدد کتابیں تالیف کی ہیں ان کتابوں میں اسے ہی اہل سنت والجماعت کا عقیدہ قرار دیا گیا ہے جس کا مطلب واضح ہے کہ سنت پر عمل کرنا ہے اور سنت پر عمل کس طرح ہوگا؟ اس کا عملی نمونہ صحابہ کرام نے پیش کیا ہے جس کی ایک مثال سنن دارمی کے حوالے سے پیش کردہ مذکورہ واقعہ ہے۔

گویا سنت سے مراد، قرآن وحدیث کا وہ فہم یا تبیین وتوضیح ہے جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول، عمل، تقریر وتوثیق اور سنت تزکیہ کے ذریعے سے کی۔ اور الجماعۃ سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ سنت رسول پر صحابہ کرام نے جس طرح کسی کمی بیشی یا زیادتی واضافے کے بغیر عمل کیا۔ یہ صحابہ کا وہ منہج ہے جس سے انحراف نہیں کیا جا سکتا۔

جو گروہ بھی اس منہج صحابہ کے مطابق اپنے عقیدے اور عمل کو استوار کرتا ہے اور دین میں اختراع، جدت طرازی یا تعبیر نو سے بچتا ہے، وہی اہل السنہ والجماعۃ ہے۔ اس کے علاوہ اہل سنت کا لیبل لگانے سے کوئی بھی اس طرح اہل سنت نہیں ہو سکتا جیسے شراب کی بوتل پر روح افزا کا لیبل لگا دینے سے شراب، روح افزا کا شربت نہیں بن سکتی۔

زیرِ نظر کتاب اسی اہم موضوع کی اہمیت پر لکھی ہوئی ضخیم کتاب ’’شرح السنۃ‘‘ کا ایک نہایت اہم باب ہے جس کی شرح

---

[1] سنن الدارمی، باب کراهیة اخذ الرائی 68-69/1

عصر حاضر کے ایک عربی عالم نے کی ہے۔ المدینہ اسلامک ریسرچ سینٹر کے فاضل مدیر حافظ عثمان صفدر صاحب فاضل مدینہ یونیورسٹی نے اس شرح کو اردو قالب میں پیش کیا ہے اور حسب ضرورت نہایت اہم توضیحی حواشی بھی تحریر کیے ہیں جس سے کتاب کی اہمیت دوچند ہوگئی ہے۔

آج مذہب کے نام پر عقیدہ وعمل کی جتنی گمراہیاں ہیں اور وہ عام ہیں، وہ سب صحابۂ کرام کے منہج، یعنی اہل سنت والجماعت کے فکر ونظر سے انحراف کا نتیجہ ہے اور صراط المستقیم سے یہ انحراف ہی امت مسلمہ کی ذلت ورسوائی اور پستیٔ وزبوں حالی کا باعث ہے۔ بنابریں زیر نظر کتاب اس لحاظ سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ اس میں اہل سنت کے موقف ومسلک کو بڑے مدلل انداز سے پیش کیا گیا ہے جس کی امت مسلمہ کو اس وقت شدید ضرورت ہے۔

کیونکہ بقول امام مالک رحمہ اللہ: "لن يصلح آخر هذه الأمة إلا بما صلح به أولها"

''اس امت کے پچھلے لوگ اس طریقے سے ہی اصلاح پذیر ہوسکتے ہیں جس طریقے سے پہلے لوگ اصلاح پذیر ہوئے تھے''۔ اللہ تعالیٰ فاضل مترجم کی اس مخلصانہ کاوش کو قبول فرمائے اور اسے بھٹکی ہوئی امت کی اصلاح کا ذریعہ بنادے۔ ویرحم اللہ عبداً قال آمین

تقریظ

از فضیلۃ الشیخ عبداللہ ناصر رحمانی ﷾

الحمدللہ والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ، وبعد

زیرِ نظر رسالۂ نافعہ ہمارے شاگرِ رشید شیخ حافظ عثمان صفدر ﷾ ورعاہ ووفقہ لمزید مافیہ حبہ ورضاہ کی انتہائی عمدہ اور نفیس کاوش ہے، جسے علمی حلقوں اور بالخصوص عقیدہ ومنہج کا ذوقِ سلیم رکھنے والوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے عظیم عالم، جنہیں اپنے دور میں اہل السنۃ والجماعۃ کے عقیدہ کی امامت کا شرف حاصل تھا، نے عقیدہ کے موضوع پر ایک انتہائی جامع، قیم اور نفیس کتاب بنام (شرح السنۃ) تالیف فرمائی، جو 172 فقروں پر مشتمل ہے، ہر فقرہ کسی نہ کسی اہم اعتقادی مسئلہ کی توضیح وتشریح پیش کرتا ہے، عصرِ حاضر کے ایک عظیم عالم دین فضیلۃ الشیخ عبداللہ بن صالح العبیلان ﷾ نے ان میں سے بعض اہم نکات کا انتخاب کیا اور دلائل وبراہین کی روشنی میں ان کی بڑی عمدگی کے ساتھ شرح کردی، اسی شرح کو حافظ عثمان صفدر ﷾ نے اردو قالب میں ڈھال دیا، نہ صرف یہ کہ ترجمہ کو کافی سمجھا، بلکہ جابجا انتہائی نافع تعلیقات سے کتاب کے حسن وافادہ میں اضافہ کردیا۔فجزاھم اللہ عنا وعن المسلمین خیرالجزاء۔

اصل کتاب (شرح السنۃ) کے مؤلف جنہیں امام اہل السنۃ والجماعۃ فی عصرہ کے لقب سے نوازا گیا ہے، کا نام ابومحمد حسن بن علی بن خلف البربہاری ہے، باعتبار مولد وموطن بغدادی تھے، ان کا علمی دور قرنِ ثالث کے اواخر اور قرنِ رابع کے اوائل پر محیط ہے، سن 329 ہجری میں بغداد ہی میں انتقال فرمایا، ان کی ساری عمر عقیدۂ اہل الحدیث کے دفاع اور علم برداری میں گزری، اہلِ بدعت کی ڈٹ کر تفنید وتردید فرمائی، ان کی دلی خواہش ہمیشہ یہی رہی کہ کتاب وسنت کے پیش کردہ عقیدۂ صافیہ کو اہلِ بدعت کے دسائس وشوائب سے پاک صاف کیا جائے اور ان کے شبہات کا ازالہ کیا جائے، چنانچہ اس دور میں موجود فرقِ مخرفہ مثلاً: جہمیہ، معتزلہ، اشاعرہ، صوفیہ اور روافض سے زندگی بھر پنجہ آزمائی جاری رہی، ان کی عقیدۂ اہل الحدیث سے محبت اور اہلِ بدعت کے افکار ووساوس سے نفرت کے مظاہر کتاب کے مطالعہ کے دوران جابجا آپ کے سامنے آتے رہیں گے۔

امام ذہبی ﷫ نے اپنی کتاب (العبر) میں انہیں الفقیہ ،القدوۃ،شیخ الحنابلۃ بالعراق کے القاب سے ملقب فرمایا ہے، جبکہ امام ابن الجوزی ﷫ فرماتے ہیں: انہوں نے علم اور زہد دونوں چیزوں کو اپنے اندر جمع کرلیا، اور یہ اہلِ بدعت پر انتہائی شدید تھے۔حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ تعالیٰ نے انہیں عالم، زاھد، واعظ اور الفقیہ الحنبلی کے القاب سے نوازا ہے، مزید فرمایا ہے: یہ اہلِ بدعت اور اہلِ معاصی پر انتہائی شدید تھے، ہر خاص وعام کے دل میں ان کی قدرومنزلت راسخ تھی۔

جہاں تک ان کی کتاب (شرح السنۃ) کا تعلق ہے، تو اس کی اہمیت اس کے موضوع سے عیاں ہوتی ہے، جو کہ عقیدۂ اہل السنۃ

کے بیان وتوضیح سے عبارت ہے، یہ بڑا ہی عظیم الشان اور جلیل القدر موضوع ہے۔

عقیدہ دین اسلام کی وہ اساس ہے جس کی قوت، اسلام کی عمارت کے قوی ہونے کی دلیل ہے، جبکہ اس کا ضعف، عمارتِ اسلام کے ضعف بلکہ انہدام کا سبب بنتا ہے، لقولہ تعالیٰ ﴿وَمَن يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ﴾ (المائدة:5)

لہذا جس شخص کو عقیدہ وایمان کی حفاظت وسلامتی مطلوب ہے، اور وہ چاہتا ہے کہ اس کی تمام دینی جہود ومساعی عنداللہ قابلِ پذیرائی ہوجائیں، اس پر اس کتاب کا مطالعہ کرنا اور قدم قدم پر اس سے راہنمائی لینا انتہائی ضروری ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین نے عقیدہ کا خوب خوب اہتمام فرمایا اور مستقل کتب تالیف فرمائیں، مثلاً: امام عبداللہ بن احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی "كتاب السنة" اور امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ کی "كتاب السنة" امام آجری رحمہ اللہ کی "كتاب الشريعة" امام لالکائی رحمہ اللہ کی "شرح اصول إعتقاد اہل السنة والجماعة" امام ابن جریر الطبری رحمہ اللہ کی "صريح السنة" امام ابن بطہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی "الابانة الصغرىٰ والابانة الكبرىٰ" امام ابن ابی زید القیروانی رحمہ اللہ کا "مقدمہ فی العقیدہ" امام صابونی رحمہ اللہ کی "عقيدة أصحاب الحديث" وغیرہ وغیرہ۔

جبکہ بعد میں آنے والے ائمہ مثلاً: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ اور ان کے ارشد تلمیذ حافظ ابن قیم رحمہ اللہ نے تو پوری عمر بیانِ منہج وعقیدہ کا جھنڈا تھامے رکھا بلکہ اپنی تالیفات کے ذریعے اسے پوری قوت کے ساتھ اس زمیں میں گاڑھ کر عقیدہ کی خدمت کا ایسا حق ادا کردیا کہ اپنے دور کے مجددین میں شمار کرلیے گئے، فرحمهم الله تعالىٰ ورضي عنهم وأرضاهم.

واضح ہو کہ ان تمام کتب کے مابین شرح السنۃ کی ایک انتہائی امتیازی خوبی یہ ہے کہ یہ اہل بدعت پر بجلی بن کر گرتی ہے اور ان کے اوہام وشبہات کو جلا کر راکھ کے ڈھیر میں تبدیل کردیتی ہے، ان کی کھڑی کی ہوئی عمارتوں کو تارِ عنکبوت کی طرح کمزور ثابت کرکے زمیں بوس کردیتی ہے، جو کہ اسلام کی بڑی عظیم خدمت ہے، ہم اپنے قارئین کو اس کتاب کے آخری فقرہ تک مطالعہ کی دعوت دیں گے۔

تلمیذِ عزیز حافظ عثمان صفدر حفظہ اللہ نے کتاب ہذا کو ترجمہ وتوضیح کیلئے منتخب کرکے عقیدۂ سلف سے محبت کا عظیم ثبوت پیش کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ عظیم تر ہیں جو اس اعتقادی انحطاط کے دور میں عقیدہ کے چراغ روشن کیے بیٹھے ہیں، اللہ تعالیٰ ان چراغوں سے لاکھوں، کروڑوں شمعیں روشن فرمادے، جو کائنات کو نورِ عقیدہ سے منور کردیں، تاکہ امتِ مسلمہ جو عقیدۂ صحیحہ سے دوری اختیار کرکے قعرِ مذلت میں گرچکی ہے، کو گوشۂ عافیت وسعادت نصیب ہو، کہ یہی نجات کا راستہ ہے، یہی صراطِ مستقیم ہے، جس پر چلنے ہی میں ہماری ابدی فلاح پنہاں ہے۔

اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو ثوابِ جزیل اور اجرِ کثیر عطا فرمائے جو کسی نہ کسی طور سلفی عقیدہ کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

آخر میں حافظ عثمان صفدر کی درازیٔ عمر اور اضافۂ علم وعمل کیلئے دعا گو ہوں، اللہ تعالیٰ ان کو اس محنت کا صلہ عطا فرمائے اور اسے ان کیلئے اور ان کے والدین واساتذۂ کرام کیلئے، نیز جملہ متعلقین، معاونین اور مساہمین کیلئے صدقۂ جاریہ بنادے اور کتاب کے نفع کو عام فرمادے، وهو تعالىٰ ولى التوفيق وبنعمته وحسن توفيقه تتم الصالحات. وأصلى وأسلم على نبيه وحبيبه وخليله محمد وعلى آله وصحبه وأهل طاعته أجمعين.

الحمد لله الذي هدانا للإسلام ومن علينا به وأخرجنا في خير أمة فنسأله التوفيق لما يحب ويرضى والحفظ مما يكره ويسخط.

1-اعلم أن الإسلام هو السنة والسنة هي الإسلام ولا يقوم أحدهما إلا بالآخر

تمام تعریفات اللہ ﷻ کے لئے ہیں جس نے ہمیں اسلام کی ہدایت دے کر ہم پر احسان عظیم فرمایا، اور ہمیں بہترین امت میں سے بنایا، ہم اسی سے یہ سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اس عمل کی توفیق عطا فرمائے جو اسے محبوب اور پسند ہو، اور اس عمل سے بچالے جو اسے ناپسند اور اس کی ناراضی کا موجب ہو۔

جان لیجئے کہ بیشک اسلام، سنت ہے اور سنت دراصل اسلام ہے، اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا۔

اسلام اور اس کا مفہوم و مطلب

شرح ووضاحت:

اسلام کا عمومی مفہوم یہ ہے کہ: اللہ ﷻ کی مکمل فرمانبرداری کرنا اور شرک سے بچنا۔ اور اس کے حسب ذیل دیگر مفہوم بھی ہیں:

1 توحید۔ مؤلف رحمہ اللہ نے مذکورہ عبارت میں یہی معنی مراد لیا ہے، اللہ ﷻ نے اپنے تمام بندوں کو توحید اپنانے کا حکم دیا ہے، اور یہ توحید عبادت ہے، اسی کے متعلق اللہ ﷻ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ﴾ (آل عمران:19) ''بیشک دین تو اللہ کے نزدیک اسلام ہے''۔ اور اسی توحید کے مسئلہ پر رسولوں علیہم السلام اور ان کی قوموں کے درمیان اختلاف ہوا، اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ﴾ (النحل:36) ''ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ (لوگو) صرف اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت (غیر اللہ کی عبادت) سے بچو''۔

اور دین اسلام بمعنی توحید کی بابت اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ: ﴿شَرَعَ لَكُم مِّنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا فِيهِ﴾ (الشوری:13) ''اس نے تمہارے لئے دین کا وہی راستہ مقرر کیا جس (کے اختیار کرنے) کا نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور جس کی (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی ہے اور جس کا ابراہیم اور موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام کو حکم دیا تھا وہ یہ کہ دین کو قائم رکھنا اور اس میں تفرقہ بازی نہ کرنا''۔

2 اسلام سے وہ عقیدہ اور شریعت بھی مراد ہے جسے نبی ﷺ لے کر آئے، اور جس کے ساتھ اللہ ﷻ نے نبی ﷺ کو خاص فرمایا، اور اسی معنی پر اللہ ﷻ کا یہ فرمان بالکل صادق آتا ہے کہ: ﴿وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدۃ: 3) ''میں نے تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین پسند کیا''، اور اللہ ﷻ کا یہ فرمان بھی کہ: ﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ (المائدۃ: 48) ''ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے ایک شریعت اور طریقہ مقرر کر دیا ہے''۔ اور نبی ﷺ کا فرمان ہے: ''ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں (جن کا والد ایک اور مائیں الگ الگ ہوں)، ہمارا دین ایک ہی ہے" [1]، [2]۔

سنت

سنت کا لغوی معنی ہے طریقہ اور راستہ۔ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ﴾ (النساء: 26) ''اور تمہیں ان (نیک) لوگوں کی راہوں پر چلائے جو تم سے پہلے ہو گزرے''۔ قاموس میں ہے کہ: ''سنت سے مراد طریقہ ہے، چاہے وہ اچھا ہو یا برا''۔

محدثین کے نزدیک سنت کی تعریف

سنت سے مراد ہر وہ قول، وہ فعل چاہے کوئی کام کرنے کے حوالہ سے ہو یا ترک کرنے کے حوالہ سے۔ اور وہ تقریر [3] یا صفت ہے جو نبی ﷺ سے منقول ہو۔

اہل اصول [4] کے نزدیک سنت کی تعریف

سنت سے مراد قرآن کے علاوہ وہ تمام اقوال ہیں نبی ﷺ کے تمام اقوال جسے حدیث بھی کہا جاتا ہے۔ اور تمام افعال اور تقریر ہے۔

سنت کے قرآن کے ساتھ تعلق کے مختلف پہلو

1 سنت قرآن کے موافق ہو [5]، اس وقت سنت کی حیثیت، قرآن کے لئے بطور تاکید وتائید کے ہوگی، اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

[1] اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ توحید کے حوالہ سے تمام انبیاء کی تعلیمات یکساں ہیں، ان میں کوئی فرق نہیں، البتہ عبادات اور معاملات وغیرہ کے شرعی احکامات میں فرق ہو سکتا ہے، اور کئی شریعتوں میں یہ فرق موجود بھی رہا ہے (از مترجم)۔

[2] صحیح بخاری (کتاب احادیث الانبیاء: 3442)

[3] تقریر سے مراد وہ عمل ہے جو نبی ﷺ کی موجودگی میں کسی صحابی نے کیا ہو یا اس عمل کی خبر نبی ﷺ تک پہنچی ہو اور آپ ﷺ نے اس عمل کو برقرار رکھا ہو۔

[4] اہل اصول سے مراد وہ علماء ہیں جو قرآن وحدیث سے احکام کا استنباط کرنے کے لئے قواعد کلیہ یا اصول وضع کرتے ہیں۔

[5] یعنی قرآن میں بیان کردہ حکم بعینہ سنت میں بیان ہو۔

نبی ﷺ کا یہ فرمان: ''کسی مسلمان کا مال اس کی رضامندی کے بغیر (کھانا) حلال نہیں''①، اللہ ﷻ کے اس فرمان کے موافق ہے کہ: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ﴾ (البقرۃ:188)، ''اور ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ''۔

نبی ﷺ کا یہ فرمان: "اللہ تعالیٰ ظالموں کو مہلت دیتا ہے مگر جب ان کی گرفت فرماتا ہے تو پھر نہیں چھوڑتا"②، اللہ ﷻ کے اس فرمان کے موافق ہے کہ: ﴿وَكَذَٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرَىٰ وَهِيَ ظَالِمَةٌ﴾ (ہود:102)، "اور تیرے رب کی پکڑ ایسی ہی ہوتی ہے جب وہ ظالم بستیوں کو پکڑتا ہے"۔

اسی طرح آپ ﷺ کا یہ فرمان: "تم لوگ عورتوں کے حقوق ادا کرنے میں اللہ سے ڈرو کیونکہ تم نے اللہ کی امانت کے ساتھ انہیں حاصل کیا ہے اور تم نے حکم الٰہی کے ذریعہ انہیں خود پر حلال کیا ہے"③، اللہ ﷻ کے اس فرمان کے مطابق ہے: ﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (النساء:19)، "اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح سے زندگی بسر کرو"۔

2 قرآن میں ذکر کردہ حکم کی وضاحت کے لئے حدیث وارد ہو۔ اس کی بعض مثالیں درج ذیل ہیں:

حدیث میں قرآن کے اجمالی حکم کی تفصیل بیان ہو۔ جیسا کہ وہ احادیث جس میں نماز، روزہ، حج اور زکوۃ وغیرہ کے تفصیلی احکامات مذکور ہیں۔

قرآن کے مطلق حکم④ کی قید بیان ہو۔ جیسے وہ احادیث جس میں قرآن کریم کی درج ذیل آیت میں لفظ "ید" کی حد بندی کی گئی ہے، فرمان الٰہی ہے: ﴿وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا﴾ (المائدۃ:38)، "جو چوری کرے مرد ہو یا عورت ان کے ہاتھ کاٹ ڈالو"، تو حدیث میں وضاحت بیان ہوئی ہے کہ ہاتھ سے مراد دایاں ہاتھ ہے اور اسے کہنی تک نہیں بلکہ کلائی تک کاٹا جائے گا۔

قرآن کے عام حکم کی تخصیص ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں لفظ "ظلم" کی صحیح مراد حدیث میں بیان ہوئی، فرمان الٰہی ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُم بِظُلْمٍ أُولَٰئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الأنعام:82)، "جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ان کے لئے امن ہے۔ اور وہی ہدایت پانے والے ہیں"۔ اس آیت کی تفسیر میں آپ ﷺ کا فرمان ہے: اس کا مطلب عام ظلم نہیں ہے، بلکہ خاص ظلم یعنی شرک مراد ہے"⑤۔

---

① مسند احمد (5/73)

② صحیح بخاری (کتاب التفسیر 4409)

③ صحیح مسلم (کتاب الحج: 1218)

④ مطلق سے مراد ایسا لفظ جو کسی چیز کی ماہیت اور حقیقت پر بغیر کسی قید کے دلالت کررہا ہو (جمع الجوامع لابن السبکی 1/484)۔ جیسے عربی زبان میں "ید" ہاتھ کو کہتے ہیں اور اس کا اطلاق انگلیوں سے لے کر کہنی تک ہوتا ہے تو جب بھی عام طور پر "ید" کہا جائے گا تو اس سے مراد مکمل بازو کہنی تک ہوگا جب تک کہ اس کی کوئی قید بیان نہ ہو جائے۔ (از مترجم)

⑤ صحیح بخاری (کتاب الایمان: 32)

قرآن کے مشکل حکم ① کی توضیح ہو۔جیسا کہ حدیث میں "خیطین "یعنی ان دو دھاگوں کی وضاحت کی گئی ہے جن کا ذکر اللہ ﷻ کے اس فرمان میں ہے:﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ﴾ دونوں سے مراد دن کی روشنی اور رات کی تاریکی ہے" ②۔

3 سنت نبوی ﷺ میں ایسا حکم بیان ہو جس کے متعلق قرآن مجید خاموش ہو۔

اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

نبی ﷺ کا سمندر کے پانی کے متعلق یہ فرمان ہے کہ:"اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردار حلال ہے" ③۔

اسی طرح جانور کو ذبح کرنے کے بعد اس کے پیٹ سے جو بچہ نکلے تو اس کے متعلق آپ ﷺ نے فرمایا:" ماں کو ذبح کرنا ہی بچے کو ذبح کرنا ہے" ④۔ ⑤

اسی طرح وہ احادیث جن میں " ربا الفضل" (سود) ⑥ کی حرمت کا بیان ہے۔

وہ احادیث جن میں ان جانوروں کے حرام ہونے کا بیان ہے جو کچلیوں والے ہوں اور اسی سے شکار کرتے ہوں، اسی طرح ان پرندوں کے حرام ہونے کا تذکرہ ہے جن کے پنجے ہوں اور وہ پنجوں سے ہی شکار کرتے اور کھاتے ہوں،اسی طرح گھریلو گدھے کے گوشت کے حرام ہونے کا بیان ہے۔

4 سنت نبوی ﷺ،قرآن سے ثابت کسی حکم کو منسوخ کرے۔اور سنت کا یہ اضافی پہلو ان علماء کی رائے کے مطابق

---

① اصطلاحاً مشکل ایسے لفظ کو کہا جاتا ہے جس کی مراد مخفی ہو اور اس کا تعین واضح نہ ہو، جب تک کہ کوئی ایسا قرینہ یا دلیل نہ مل جائے جو اس لفظ کی مراد کو واضح کر دے۔(از مترجم)

② صحیح بخاری (کتاب الصوم:1090)

③ جامع ترمذی (ابواب الطھارۃ:69)

④ مسند احمد (3/39)

⑤ یعنی اس بچھڑے کو الگ سے ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔

⑥ سود کی بنیادی طور پر دو اقسام ہیں:(۱) قرض کا سود۔(۲) تجارت کا سود۔

1.قرض کا سود یہ ہے کہ ایک شخص کسی کو قرض دے کر زیادہ طلب کرے۔اس سود کا تذکرہ قرآن مجید میں کافی تفصیل سے مذکور ہے۔

2.تجارت کا سود:اس کی پھر دو اقسام ہیں: (ا) ربا الفضل:مخصوص اجناس کے تبادلہ میں کمی بیشی کرنا۔مثلاً سونے کے بدلہ سونے میں کمی یا زیادتی کرنا سود ہے۔اس سود کا تذکرہ صرف احادیث میں ہے قرآن میں نہیں ہے،اور اسی طرف مؤلف ﷫ اشارہ کر رہے ہیں۔

(۲) ربا النسیئہ:مخصوص اجناس کے تبادلہ میں ادھار کرنا۔یہ سود بھی صرف احادیث ہی میں مذکور ہے،قرآن مجید میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔واللہ اعلم۔(از مترجم)

ہے جو سنت کے ذریعہ قرآن کی کسی آیت کے منسوخ ہونے کو درست سمجھتے ہیں [1]۔ اس کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:

حدیث "لا وصية لوارث" ترجمہ: "وارث کے لئے وصیت نہیں ہے" [2]، یہ حدیث قرآن کے اس حکم کو منسوخ کر رہی ہے جس میں والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لئے وصیت کی تلقین کی گئی ہے، فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ (البقرۃ:180)

"تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کو موت آ پہنچے اگر وہ مال چھوڑے تو ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے مناسب طور پر وصیت کرے یہ پرہیزگاروں پر حق ہے" [3]۔

آپ ﷺ کا فرمان ہے: "غیر شادی شدہ مرد، غیر شادی شدہ عورت سے زنا کرے تو دونوں پر سو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی ہے" [4]۔ یہ حدیث قرآن کی اس آیت کو منسوخ کر رہی ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَاللَّاتِي يَأْتِينَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ شَهِدُوا فَأَمْسِكُوهُنَّ فِي الْبُيُوتِ حَتَّىٰ يَتَوَفَّاهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللَّهُ لَهُنَّ سَبِيلًا﴾ (النساء:15)

ترجمہ: مسلمانو! تمہاری عورتوں میں جو بدکاری کا ارتکاب کر بیٹھیں ان پر اپنے لوگوں میں سے چار شخصوں کی شہادت لو۔ اگر وہ (ان کی بدکاری کی) گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے یا اللہ ان کے لیے کوئی اور سبیل (پیدا کرے)" [5]۔

---

① سنت کے ذریعہ قرآن کے کسی حکم کے منسوخ ہونے کے حوالہ سے علماء میں اختلاف ہے، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک قرآن کو صرف قرآن ہی منسوخ کر سکتا ہے، سنت نہیں۔ البتہ امام مالک، امام ابوحنیفہ اور جمہور علماء کی رائے یہی ہے کہ قرآن کا کوئی حکم سنت کے ذریعہ منسوخ ہو سکتا ہے۔ فضیلۃ الشیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سنت جب نبی اکرم ﷺ سے صحیح سند کے ساتھ ثابت ہو جائے تو وہ (حجت میں) قرآن کے برابر ہے"۔ البتہ سنت سے قرآن کے کسی حکم کے منسوخ ہونے کی مثال نہ ہونے کے برابر ہے، عموماً چار یا پانچ مثالیں دی جاتی ہیں لیکن ان سب پر کوئی نہ کوئی اعتراض ہے، جیسا کہ آگے مؤلف رحمہ اللہ نے دو مثالیں ذکر کی ہیں، ان پر ان کے مقام پر بات ہوگی، البتہ اس کی صحیح ترین مثال جو میرے علم کے مطابق صرف شیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ نے ذکر کی ہے وہ یہ آیت ہے: ﴿وَاللَّذَانِ يَأْتِيَانِهَا مِنْكُمْ فَآذُوهُمَا ۖ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا فَأَعْرِضُوا عَنْهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَحِيمًا﴾ (النساء:16)؛ "اور جو دو مرد تم میں سے بدکاری کریں تو ان کو ایذا دو۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور نیکوکار ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو۔ بیشک اللہ توبہ قبول کرنے والا (اور) مہربان ہے"، یہ آیت نبی ﷺ کے اس فرمان سے منسوخ ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "جسے تم قوم لوط کا عمل کرتے ہوئے پاؤ تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو" (جامع ترمذی، کتاب الحدود:1456)، اس حدیث سے واضح طور پر قرآن کی آیت منسوخ ہو رہی ہے۔ (مترجم)

② یعنی جس کا حق اللہ ﷻ نے وراثت میں سے مقرر فرما دیا ہے اس کے لئے الگ سے (دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر) وصیت نہیں کی جا سکتی۔ (مترجم)

③ اس حدیث سے قرآن کریم کی مذکورہ آیت کے منسوخ ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے، اس کی دو وجوہات ہیں: (۱) مذکورہ حدیث میں صرف وارث کے لئے وصیت کرنے سے منع کیا گیا ہے، قریبی رشتہ داروں کے لئے ممانعت نہیں ہے، تو یہ قرآن کے عام حکم کی تخصیص تو ہے لیکن اسے منسوخ ہونا قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (۲) سورۃ النساء کی آیت 11 اور 12 میں اللہ تعالیٰ نے ورثاء کے حصوں کو تفصیلی طور پر بیان فرمایا ہے اور یہی دو آیات حقیقی طور پر مذکورہ آیت کو منسوخ کر رہی ہیں نہ کہ حدیث۔ (مترجم)

④ صحیح مسلم (کتاب الحدود:1690)

① اس آیت کو مذکورہ حدیث سے منسوخ ماننا بھی درست نہیں ہے، کیونکہ زانی مرد و عورت کی یہ سزا قرآن مجید میں ذکر ہوئی ہے جیسا کہ سورۃ النور میں اللہ کا فرمان ہے: ﴿الزَّانِيَةُ وَالزَّانِي فَاجْلِدُوا كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ (النور:2) "بدکاری کرنے والی عورت اور بدکاری کرنے والا مرد (جب ان کی بدکاری ثابت ہو جائے تو) دونوں میں سے ہر ایک کو سو درے مارو"، البتہ اتنا ضرور ہے کہ حدیث میں انہیں ایک سال کے لئے جلاوطن کر دیے جانے کا حکم قرآن کے اس حکم پر مزید اضافہ ہے، لیکن اسے مذکورہ آیت کے لئے ناسخ تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔ (مترجم)

اور مؤلف ﷫ کا یہ فرمانا کہ: " جان لو کہ بیشک اسلام، سنت ہے اور سنت ہی دراصل اسلام ہے، اور ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتا" ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اسلام اور سنت دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں، اور کسی بھی حال میں یہ ممکن نہیں ہے کہ سنت کے بغیر کوئی شخص اسلامی عقیدہ کا حامل ہو، اور نہ یہ ہی ممکن ہے کہ کوئی بغیر اسلام کے سنت پر عمل کر سکے، تو اسلام دراصل لا الہ الا اللہ کی گواہی کا تقاضا ہے، اور سنت پر عمل پیرا ہونا " محمد رسول اللہ" کے اقرار کا تقاضا ہے، اور یہ بات بدیہی طور پر ہم جانتے ہیں کہ کوئی شخص بھی ان دو گواہیوں کے بغیر دائرۂ اسلام میں داخل نہیں ہو سکتا۔

گزشتہ تفصیل سے یہ بات بالکل واضح ہو چکی ہے کہ سنت سے الگ ہو کر قرآن کا صحیح فہم ناممکن ہے، اور اگر آپ ان لوگوں کی گمراہی جاننا چاہیں جنہوں نے سنت سے الگ ہو کر قرآن کا فہم حاصل کرنے کی کوشش کی تو آپ صحیح بخاری کی اس روایت پر غور کیجئے جو ابن عمر ﷠ سے معلقا[1] مروی ہے کہ وہ خوارج کو اللہ کی بدترین مخلوق قرار دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ: " ان لوگوں نے ان آیات کو جو کفار کے بارے میں نازل ہوئیں مومنوں پر چسپاں کر دیا" ۔ تو انہوں نے قرآن کو اپنی ذاتی سمجھ کے مطابق سمجھا اور اس کا وہ معنی مراد لیا جس کا سنت سے کوئی تعلق نہیں تھا، اور جو فرقے اسلام سے منحرف ہو گئے ان کی گمراہی کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ انہوں نے قرآن کو سنت کے ذریعہ سمجھنے کو ضروری نہیں جانا (اور نتیجتاً گمراہ ہو گئے)۔

سنت کے واجب العمل ہونے کے دلائل

1. اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ (الحشر: 7)

ترجمہ: " جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے وہ تم کو روکے اس سے رک جاؤ" ۔

2. اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ﴾ (آل عمران: 32)

ترجمہ: " کہہ دو اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو پھر اگر وہ منہ موڑیں تو اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا" ۔

[1] " معلق" سے مراد ایسی روایت ہے کہ جس کی سند کا ابتدائی حصہ محذوف ہو یا ساقط ہو، عام طور پر معلق احادیث کا حکم ضعیف کا ہوتا ہے، لیکن ایسی معلق روایات جو صحیح بخاری میں ہوں ان کا حکم مختلف ہے، اگر وہ روایت امام بخاری معروف کے صیغہ کے ساتھ لائیں یعنی " قال" ، " روی" کہ اس نے کہا یا اس نے روایت کی تو عموما ایسی روایت صحیح ہوتی ہے، اور اگر مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہو یعنی " قیل" یا " روی" کہ کہا گیا، یا روایت کی گئی، تو ایسی روایت عموما ضعیف ہوتی ہے، اور امام بخاری کا ایسی ضعیف روایت کے لانے کا عموما کوئی نہ کوئی مقصد ہوتا ہے، اس مقصد کو بیان کرنے کے لئے علماء نے کافی کتب تحریر کی ہیں مثلا امام ابن حجر ﷫ کی کتاب " تغلیق التعلیق" وغیرہ۔ بہر حال مذکورہ روایت صحیح ہے اور صحیح بخاری کے علاوہ دیگر کتب میں سند کے ساتھ مذکور ہے، جیسا کہ امام مسلم ﷫ نے صحیح مسلم میں (کتاب الزکاۃ، باب شر الخلق والخلیقۃ، حدیث نمبر: 1067) میں اسے ذکر کیا ہے۔ (مترجم)

3 اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا﴾ (الأحزاب:36)

ترجمہ: ”کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ کر دے تو پھر اسے اپنے اس معاملے میں خود فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل رہے۔ اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہی میں پڑ گیا“۔

4 اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الأحزاب:21)

ترجمہ: "فی الحقیقت تمہارے لئے رسول اللہ میں نہایت ہی حسین نمونہ (حیات) ہے"۔

5 اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَنْ تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾

ترجمہ: " رسول کے حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے کہ وہ کسی فتنے میں گرفتار نہ ہو جائیں یا ان پر دردناک عذاب نہ آجائے"۔ (النور:63)

6 اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء:65)

ترجمہ: " سو تیرے رب کی قسم ہے یہ کبھی مومن نہیں ہوں گے جب تک کہ اپنے اختلافات میں تجھے منصف نہ مان لیں پھر تیرے فیصلہ پر اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہ پائیں اور خوشی سے قبول کریں"۔

سنن ابوداؤد اور دارمی کی روایت ہے، مقدام بن معد یکرب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: متنبہ رہو! بے شک مجھے قرآن دیا گیا ہے اور قرآن کے مثل بھی اس کے ساتھ دیا گیا ہے خبردار! عنقریب ایک شخص جو بھرے پیٹ کے ساتھ ہوگا ایک تکیہ پر ٹیک لگائے یہ کہے گا کہ: تم صرف قرآن کو لازم پکڑو، جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ تو بس اسی کو حلال سمجھو، اور جو کچھ تم اس میں حرام پاؤ تو فقط اسی کو حرام سمجھنا، (جبکہ) درحقیقت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام کیا تو (اس کا حکم اسی طرح ہے) جس طرح اللہ نے حرام کیا ہو، خبردار! تمہارے لئے پالتو گدھے کا گوشت، کچلیوں والا شکاری جانور حلال نہیں ہے اور کسی ذمی کا گرا ہوا سامان بھی حلال نہیں ہے، مگر یہ کہ سامان والا اس سامان سے بے نیاز ہو، اور جو شخص کسی قوم کے ہاں مہمان ٹھہرے تو قوم والوں پر اس کی مہمان نوازی واجب ہے، اور اگر وہ اس کی مہمان نوازی نہیں کرتے تو اس شخص کے لئے یہ جائز ہے کہ اپنی مہمان نوازی

کے بقدر سامان ان سے بطور سزا کے وصول کرلے"[1]۔

مسند احمد، سنن ابو داود، جامع ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت ہے، صحابی رسول عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کے تقوی، (اپنے امیر کی بات) سننے اور اطاعت کرنے کا حکم دیتا ہوں، چاہے (وہ امیر) کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھے گا، پس تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت (کی اطاعت) لازم ہے، تم اس کے ساتھ مضبوطی سے چمٹے رہو، اور اپنے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے اسے تھام لو، اور (دین میں) نئے نئے امور سے بچو، کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے"۔

---

[1] ابوداود (کتاب السنۃ، 4604)

فمن السنة لزوم الجماعة،فمن رغب غير الجماعة وفارقها، فقد خلع ربقة الإسلام من عنقه، وكان ضالاً مضلاً .

تو سنت میں (ذکر کردہ اہم ترین امور میں سے یہ ہے کہ) جماعت کو لازم پکڑنا ہے،لہذا جس شخص نے جماعت سے لاتعلقی اختیار کی اور جماعت سے الگ ہو گیا تو اس نے اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے اتار پھینکا، اور خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔

اسلام میں لزوم جماعت کی اہمیت

شرح ووضاحت:

کتاب وسنت میں "لزوم جماعت" [1] یعنی جماعت سے چمٹے رہنے کا حکم

1. اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا﴾ (آل عمران:102،103) ترجمہ:" اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔" ابن جریر رحمہ اللہ نے اللہ ﷻ کے اس فرمان" سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو" کی تفسیر میں مختلف صحیح اسانید سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے قول نقل کیا ہے کہ" اللہ کی رسی سے مراد، جماعت ہے" [2]۔اور اسی طرح صحیح اسانید سے دیگر علماء سلف سے کچھ اور اقوال بھی ذکر کئے ہیں جیسا کہ" قرآن"،" اخلاصِ عمل" اور" اسلام"۔

ان تمام اقوال کا معنی اور نتیجہ ایک ہی ہے، کیونکہ قرآن کو مضبوطی سے تھام لینا، اور اخلاصِ عمل اور سنت سے مضبوط تعلق استوار کر لینا، یہی وہ اعمال ہیں جن کے ذریعہ مسلمانوں میں الفت بڑھتی ہے، اور اجتماعیت اور مضبوط تعلقات کی راہ استوار ہوتی ہے۔

ایک اہم ترین نکتہ جو اللہ ﷻ کے اس فرمان کے حوالہ سے میرے دل میں آیا ہے کہ:

﴿لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَا أَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾ (الأنفال:63)

ترجمہ:" (اے پیغمبر ﷺ) آپ روئے زمین کی ساری دولت بھی خرچ کر ڈالتے تو اِن لوگوں کے دل نہ جوڑ سکتے

[1] قرآن وحدیث میں جماعت سے کیا مراد ہے؟ اس کی تفصیل آئندہ صفحات میں ذکر ہو گی ان شاء اللہ۔

[2] جامع البيان فی تاويل آی القرآن لابن جرير (3/378)

تھے"، اس آیت میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی ساری دولت اور زمین کے سارے خزانے بھی خرچ کردے تو وہ لوگوں کے دلوں میں الفت ومحبت پیدا نہیں کرسکتا، اور اس الفت اور محبت کا حصول صرف عقائد کے یکساں ہونے سے ہی ممکن ہے۔تو اگر "اسلامیین" [1] اس امت کو متحد کرنے کے لئے ہر طریقہ اختیار کرلیں تو بھی یہ اتحاد کبھی ممکن نہیں ہوسکتا، اور اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ (اس امت کا) عقیدہ اس منہج کے مطابق یکساں ہوجائے جو منہج اللہ ﷻ نے محمد ﷺ کے دل پر نازل فرمایا تھا۔

ابن جریر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اللہ ﷻ کی اس آیت میں مراد یہ ہے کہ: تم اللہ کے دین کو مضبوطی سے تھام لو، اور اللہ ﷻ کے اس وعدہ پر قائم رہو جو اللہ ﷻ نے تم سے اپنی کتاب میں لیا ہے، کہ تم کلمہ حق اور اللہ ﷻ کے اوامر کی فرمانبرداری کے معاملہ پر اپنے درمیان اجتماعیت اور الفت کی فضا قائم رکھو گے۔ [2]

ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اللہ ﷻ نے اپنے اس فرمان: ﴿وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ میں مسلمانوں کو جماعت کے ساتھ چلنے کا حکم دیتے ہوئے تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے اور نبی اکرم ﷺ کے کئی فرامین میں تفرقہ بازی سے ممانعت اور اجتماعیت اور اتفاق کی فضا قائم کرنے کا حکم موجود ہے"۔ پھر آگے چل کر ابن کثیر رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "مسلمانوں کا کسی معاملہ پر اتفاق ہوجانے کی صورت میں ان سے غلطی نہ ہونے کی ضمانت بھی کئی احادیث میں مروی ہے، اور مسلمانوں کے درمیان اختلاف اور تفرقہ بازی کا جو خدشہ احادیث میں مذکور ہے وہ خدشہ حرف بحرف درست ثابت ہوا ہے اور آج امت تہتر فرقوں میں بٹ چکی ہے، ان میں سے صرف ایک فرقہ ہے جو جنت کی طرف نجات پانے والا اور جہنم سے محفوظ رہنے والا ہے، اور یہ وہ لوگ ہیں جو اسی دین اور منہج پر قائم ہیں جس پر نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم تھے۔

امام قرطبی رحمہ اللہ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "حبل اللہ" سے مراد جماعت ہے، اور یہی تفسیر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور دیگر کئی صحابہ سے مختلف اسانید سے مروی ہے، اور جتنے معانی بھی "حبل اللہ" کے ذکر کئے گئے ہیں وہ سب قریب قریب ہیں اور ایک دوسرے کے مفہوم میں داخل ہیں۔ بے شک اللہ ﷻ نے اتفاق کا حکم دیا ہے اور تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے، کیونکہ تفرقہ بازی یقینا موجب ہلاکت ہے، اور جماعت ہی راہ نجات ہے، اور اللہ ﷻ ابن مبارک رحمہ اللہ پر رحم فرمائے، آپ

---

[1] اسلامیین سے شیخ رحمہ اللہ کی مراد وہ افراد اور ایسی جماعت اور ادارے ہیں جو اتحاد امت کا نعرہ تو ضرور بلند کرتے ہیں اور اس کے لئے کوششیں بھی کرتے ہیں، لیکن اس جدوجہد میں وہ صحیح اسلامی منہج اور مقصد شریعت کو فراموش کر بیٹھتے ہیں۔ وحدت امت کا نعرہ اور نظریہ یقینا قابل تعریف ہے، لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس وحدت امت کو عقیدہ یا منہج کی قربانی دیکر حاصل کیا جائے، اور نہ ہی یہ اس طریقہ سے کبھی ممکن ہوسکے گا، بلکہ وحدت امت کا سب سے بہترین طریقہ وہی ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے اور جس کی طرف شیخ رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ امت کے عقیدہ کی اصلاح کی جائے، شرک اور بدعقیدگی کو ختم کیا جائے اور اللہ ﷻ کی توحید پر سب کو اکٹھا کیا جائے، تو اللہ ﷻ اپنے خصوصی فضل سے اس امت میں الفت ومحبت پیدا فرمادے گا، جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اللہ ﷻ نے الفت ومحبت پیدا فرمائی تھی۔ (مترجم)

[2] جامع البیان فی تاویل آی القرآن لابن جریر (3/378)

فرماتے ہیں:" بے شک جماعت اللہ کی رسی ہے،تو اس رسی کے مضبوط کڑے کو اچھی طرح تھام لو"۔[1]

جہاں تک کتاب اللہ کو مضبوطی سے تھامنے کے مفہوم کا تعلق ہے تو اسے ابن قیم رحمہ اللہ نے بڑے مختصر پیرائے میں بالکل واضح کردیا ہے،فرماتے ہیں:" اس کا مطلب ہے کہ فقط کتاب اللہ کے حکم کا نفاذ ہو،جس میں کسی کی رائے ، قیاس، عقل، ذوق ، کشف اور وجد جیسی خرافات کا دخل نہ ہو۔اور جو شخص ایسا نہیں کرے گا تو یقیناوہ اعتصام کے اس مفہوم سے خارج ہے، کیونکہ قرآن کو مضبوطی سے اس طرح تھامنا کہ اس کا علم حاصل کرنا، اخلاص کے ساتھ اور اللہ سے مدد طلب کرتے ہوئے اس پر عمل کرنا،اور اس کے فرامین کی پیروی کرنا اور اس پر قیامت تک ڈٹے رہنا ہی دراصل دین ہے۔[2]

صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرمایا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے:(اور وہ یہ ہیں) کہ تم صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور یہ کہ تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ بازی نہ کرو۔۔۔۔"۔[3]

اس عظیم حدیث کی شرح میں امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جہاں تک اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا تعلق ہے تو اس کا مطلب ہے اللہ کے عہد پر قائم رہنا، یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب کی اتباع کرنا، اس میں بیان کردہ حدود سے تجاوز نہ کرنا، اور اس میں ذکر کردہ آداب پر عمل کرنا، اور" حبل" (رسی) کے عربی زبان میں کئی معانی مراد لئے جاتے ہیں، اس سے مراد عہد و پیمان بھی ہے، اور اس سے مراد کسی کو امان دینا، یا کوئی تعلق و رشتہ داری بھی ہے، اور کسی عمل کے سبب کو بھی" حبل" (رسی) کہا جاتا ہے، اور ان معانی میں" حبل" (رسی) کے استعمال کی وجہ یہ ہے کہ عرب رسی کا استعمال انتہائی سخت حالات میں کیا کرتے تھے، جیسا کہ جدا جدا ہوجانے والی چیزوں کو ایک ساتھ باندھ کر رکھنے کے لئے، تو بطور استعارہ اور کنایہ ان مذکورہ معانی کے لئے بھی" حبل" (رسی) کا لفظ بولا جانے لگا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان:" تم تفرقہ بازی نہ کرو" یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے اور ایک دوسرے کے ساتھ الفت و محبت کا رویہ اختیار کرنے کا حکم ہے، اور یہ دراصل اسلام کے بنیادی قواعد وضوابط میں سے ایک ہے۔[4]

---

[1] الجامع لاحکام القرآن(4/156)

[2] مدارج السالکین لابن القیم(3/323)

[3] صحیح مسلم (کتاب الاقضیة : 1715)

[4] شرح صحیح مسلم(12/252)

امام نووی رحمہ اللہ نے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے اور باہم یکجا ہونے کو اسلام کے بنیادی قواعد میں سے ایک قرار دیا ہے، اور یہ قاعدہ جسے امام نووی نے ایک صحیح حدیث سے مستنبط کیا ہے، درحقیقت تمام علماء اسلام کے موقف کی ترجمانی ہے، اور آگے چل کر ان شاءاللہ ان کے اقوال ذکر ہوں گے۔

مسند احمد، سنن دارمی اور ابن حبان کی ایک روایت ہے جسے امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے ان کی موافقت کی ہے، اور شیخ البانی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اس روایت کی سند صحیح ہے، اور اس روایت کو انہوں نے سلسلہ صحیحہ میں بھی ذکر کیا ہے، کہ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اللہ عزوجل اس شخص کے چہرے کو تروتازہ رکھے جو میری اس حدیث کو سنے اور آگے پہنچائے، اس لئے کہ کئی حاملین فقہ، فقیہ نہیں ہوتے اور کئی حاملین فقہ، ایسے افراد تک تبلیغ فقہ کا ذریعہ بنتے ہیں جو ان سے زیادہ سمجھ رکھنے والے ہوتے ہیں، تین چیزیں ایسی ہیں اگر وہ مسلمان کے اندر ہوں تو اس کا دل کبھی خائن اور دھوکہ باز نہیں ہوسکتا، (۱) عمل میں اخلاص ہو، (۲) حکمرانوں کے لئے خیر خواہی، (۳) اور مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا، کیونکہ مسلمانوں کی دعائیں انہیں اپنے احاطہ میں لئے (ان کی حفاظت کا باعث) ہوتی ہیں"۔ [1]

جامع ترمذی اور مستدرک حاکم کی روایت ہے جسے امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی تصحیح کی موافقت کی ہے، اور اس روایت کو ابن ابی عاصم رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "السنۃ" میں اور امام لالکائی رحمہ اللہ نے "شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ" میں بھی اس حدیث کو ذکر کیا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارض شام میں خطبہ دیا اور فرمایا کہ: "ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان کھڑے ہوئے اور فرمایا: "میرے صحابہ کے بارے میں خیر کا گمان رکھو، پھر ان لوگوں کے بارے میں جو ان کے بعد ہیں پھر جو ان کے بعد ہیں، پھر جھوٹ پھیل جائے گا، یہاں تک کہ ایک شخص بغیر طلب کئے (جھوٹی) گواہی دینے پر تیار ہوگا، اور بغیر مانگے قسم کھانے پر تیار ہوگا، اور جو اعلیٰ ترین جنت کا طلبگار ہو اسے چاہئے کہ وہ جماعت کو لازم پکڑے، کیونکہ شیطان، اکیلے شخص سے قریب ہوتا ہے اور اگر دو ہوں تو قدرے دور ہوتا ہے، پس جس شخص کو اس کی نیکی خوش کردے اور اس کی برائی رنجیدہ کردے تو وہ مومن ہے"۔ [2]

مذکورہ دونوں احادیث میں مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے کا حکم صریح موجود ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "الرسالۃ" میں نہایت ہی خوبصورت بات کی ہے، مذکورہ حدیث کو ذکر کرنے کے بعد امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے کے اس حکم کے معنی کیا ہیں؟، میں کہتا ہوں کہ اس کا صرف ایک ہی معنی

[1] مسند احمد (3/225)، ابن ماجہ (مقدمہ ابن ماجہ: 236)

[2] مسند احمد (1/18)، جامع ترمذی: کتاب الفتن (2165)، مستدرک حاکم (1/113)

ہے، اس (میرے مخالف) نے کہا: اس کا ایک ہی معنی کیسے ہوسکتا ہے؟ میں نے کہا: جب مسلمانوں کی جماعت مختلف شہروں میں پھیلی ہوئی ہے تو کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ جسمانی طور پر ایسی قوم کا ساتھ اختیار کرسکے جو مختلف جگہوں میں منتشر ہو، اور اس کے برعکس ایک ہی معاشرے میں مسلمان اور کافر، نیک اور بدلوگ اکٹھے رہے ہیں (یعنی جسمانی طور پر وہ ایک ساتھ ہیں لیکن وہ سب یکجا نہیں ہوسکتے)، تو جسمانی طور پر جماعت کو لازم پکڑنے کا کوئی معنی بنتا ہی نہیں ہے، اور اس لئے بھی یہ معنی درست نہیں کہ بدنی طور پر اکٹھے ہوجانے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا (اگر فکر ونظر یکساں نہ ہو)، لہذا مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ حلال وحرام کی تفریق میں مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑا جائے، اور جو شخص وہی بات کرتا ہے جو مسلمانوں کی جماعت کرتی ہے تو درحقیقت اسی نے جماعت کو لازم پکڑا ہے، اور جس نے مسلمانوں کی جماعت کے منہج اور قول کے خلاف بات کی تو درحقیقت اس نے اس جماعت کی مخالفت کی جس کو لازم پکڑنے کا حکم دیا گیا ہے"۔[1]

تفرقہ بازی اور اختلاف کی مذمت، اور ان سے بچنے کے متعلق کتاب وسنت سے دلائل

1 اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ (آل عمران (105-107)

ترجمہ: تم ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آجانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ، سیاہ چہروں والوں (سے کہا جائے گا) کہ تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟ اب اپنے کفر کا عذاب چکھو۔ اور سفید چہرے والے اللہ تعالیٰ کی رحمت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''اللہ ﷻ یہاں پر فرمارہا ہے کہ: اے مومنوں کی جماعت! تم اہل کتاب کے ان لوگوں کی طرح نہ ہوجانا جنہوں نے تفرقہ بازی کی اور اللہ کے دین، اس کے احکامات اور ممنوعات میں اختلاف کیا، جبکہ اس معاملہ میں اللہ کے واضح دلائل نازل ہوچکے تھے، اور وہ ان دلائل کا مکمل ادراک رکھتے تھے پھر بھی جان بوجھ کر انہوں نے اس کے برخلاف کیا، حکم الٰہی کی مخالفت کی اور اللہ کے عہدو پیمان کو بڑی دیدہ دلیری سے توڑا، وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ یعنی وہ اہل کتاب جنہوں

[1] الرسالة (474-476)

نے تفرقہ بازی کی اور اختلاف کیا، ان کے لئے اللہ ﷻ کے ہاں بہت بڑا عذاب ہے۔تو اللہ ﷻ یہ فرمارہا ہے کہ: اے مومنوں کی جماعت تم اپنے دین میں اس طرح تفرقہ بازی مت کرنا جس طرح ان اہل کتاب نے کی، تم ان جیسے کام نہ کرنا اور اپنے دین میں ان کے طریقہ پر مت چلنا نہیں تو پھر تمہارے لئے بھی اللہ کے ہاں ویسا ہی بڑا عذاب ہوگا جیسا ان اہل کتاب کے لئے ہے"۔[1]

پھر ابن جریر رحمہ اللہ نے اللہ ﷻ کے اس فرمان کے متعلق سند کے ساتھ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ذکر کیا ہے کہ:

"اللہ ﷻ نے مومنین کو التزام جماعت کا حکم دیا ہے، اور انہیں اختلاف اور تفرقہ بازی سے منع فرمایا ہے، اور ساتھ ساتھ مومنین کو یہ خبر بھی دی ہے کہ ان سے پہلے جو لوگ ہلاک ہوئے ان کی ہلاکت کا سبب بھی دین میں لڑنا جھگڑنا تھا۔[2]

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: پس جس شخص نے دین میں تبدیلی کی اور ایسی بدعت ایجاد کی جس میں نہ تو اللہ کی رضا ہے نہ ہی اس کا حکم ہے، تو وہ (روز قیامت) حوض کوثر سے دھتکارے اور دور ہٹا دئے جانے والوں میں سے ہوگا، اور ان لوگوں میں سے ہوگا جن کے چہرے سیاہ ہوں گے، اور ان میں بھی سب سے زیادہ دھتکارے جانے اور جھڑک دیئے جانے والا وہ ہوگا جس نے مسلمانوں کی جماعت کی مخالفت کی اور ان کے راستے سے الگ ہوگیا، جیسا کہ خوارج[3] اور ان کے مختلف فرقے،

---

[1] جامع البیان للطبری (3/385)

[2] جامع البیان للطبری (3/385)

[3] خوارج، خارج کی جمع ہے، انہیں خوارج اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کے بہترین لوگ یعنی صحابہ کرام کے خلاف خروج کیا، یا پھر اس لئے بھی انہیں خوارج کہتے ہیں کہ یہ حقیقی دین سے خارج ہیں، جیسا کہ ان کے متعلق احادیث میں مذکور ہے، انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کی خلافت میں خروج کیا اور علی رضی اللہ عنہ نے ان سے قتال کیا۔خوارج کے بیس فرقہ ہیں اور ہر ایک دوسرے کو کافر قرار دیتا ہے۔خوارج کا عقیدہ ہے کہ علی رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ اور جمل وصفین میں لڑنے والے تمام افراد کافر ہیں۔اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ کبیرہ گناہ کا مرتکب دائمی جہنمی ہے، اسی طرح یہ مسلمان حکمرانوں کے خلاف خروج کو جائز سمجھتے ہیں۔مسلمانوں کو قتل کرتے ہیں اور غیر مسلموں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ان کے بارے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق شدید وعید بیان فرمائی ہے اور انہیں زمین پر بدترین مقتول اور جہنم کے کتے قرار دیا ہے۔

آج ہمارے زمانے میں خوارج کے فتنے نے تمام مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں جہاں خوارج کا فتنہ موجود نہ ہو اور وہ اس سے متاثر نہ ہو، جبکہ کفار ممالک کو ان خوارج سے نہ ہونے کے برابر نقصان ہے۔یہ اسلامی ممالک پر تو چڑھائی کرتے ہیں، مسلم حکمرانوں پر کافر کا حکم لگا کر واجب القتل بھی قرار دیتے ہیں لیکن کافر ممالک کے کافر حکمرانوں سے پہلوتہی اختیار کرتے ہیں۔ان خوارج کی فتنہ پروری کی بدولت آج کافر ممالک تو کجا اسلامی ممالک میں ہی صحیح دعوت دین کو انجام دینا انتہائی دشوار معاملہ بن چکا ہے، لوگ اسلام سے متنفر ہو رہے ہیں، تکفیر کا فتنہ روز افزوں بڑھتا جارہا ہے، نوجوان خاص طور پر ان کے نظریات میں گرفتار ہوکر امت مسلمہ کے خلاف استعمال ہو رہے ہیں۔اللہ تعالی امت مسلمہ کو اس فتنہ سے محفوظ فرمائے۔آمین

اور رافضہ ① (کے مختلف فرقے) اپنی گمراہیوں کے حساب سے، اور معتزلہ ② کے مختلف فرقے، تو یہ سب کے سب دین میں تبدیلیاں کرنے والے اور بدعتی ہیں، اور اسی طرح وہ ظالم لوگ بھی جو ظلم وناانصافی کرنے، حق کو مٹانے اور اہل حق کو قتل کرنے اور رسوا کرنے میں حد سے بڑھ گئے، اور ایسے گناہ گار جو کبائر کا علی الاعلان ارتکاب کرتے ہیں اور گناہوں کو معمولی سمجھتے ہیں، اسی طرح خواہش پرستی میں مبتلا، ٹیڑھ پن کے متلاشی، اور بدعتی یہ سب وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں یہ اندیشہ ہے کہ وہ اس آیت میں ذکر کردہ وعید کے زمرے میں شامل ہیں"۔ ③

اور اللہ تعالی کا یہ فرمان: "جس دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ"، اس کے متعلق ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اس سے مراد قیامت کا دن ہے جب اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے، یہ

---

① رافضہ، رفض سے مشتق ہے، رفض کا مطلب ہے انکار کرنا، انہیں رافضہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ ابوبکر صدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کے انکاری ہیں، یا پھر اس کی ایک اور وجہ تسمیہ بھی بیان کی گئی ہے کہ ان کے ایک امام زید رحمہ اللہ جو کہ امام زین العابدین علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں انہوں نے جب ابوبکر الصدیق اور عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت کو تسلیم کیا اور ان کی تکفیر سے منع کیا تو رافضہ نے انہیں چھوڑ دیا تو زید رحمہ اللہ نے فرمایا: "رفضتمونی" یعنی تم نے مجھے چھوڑ دیا۔ رافضہ کے بہت سے فرقے ہیں، بعض نے پندرہ فرقوں کا اور بعض نے چوبیس فرقوں کا ذکر کیا ہے۔ رافضہ کا عقیدہ ہے کہ قیامت سے پہلے بہت سے بزرگ جو وفات پا چکے ہیں وہ دوبارہ دنیا میں آئیں گے، اسی طرح وہ تحریف قرآن کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں، اسی طرح اکثر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تکفیر کے بھی قائل ہیں، اسی طرح ان کا عقیدہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے علی کی خلافت کو نصاً واضح فرمایا تھا، لیکن اکثر صحابہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کو تسلیم کرنے سے انکار کیا اور گمراہ ہو گئے۔

② معتزلہ اعتزال سے مشتق ہے، اعتزال کا معنی ہے علیحدہ ہونا، منفرد ہونا۔ انہیں معتزلہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کا بانی واصل بن عطاء جو کہ امام حسن بصری رحمہ اللہ کا شاگرد تھا وہ ان سے گناہ گار مومن پر حکم لگانے کے مسئلہ میں اختلاف کر کے ان کی مجلس سے الگ ہوا تو اس کا اور اس کے پیروکاروں کا نام معتزلہ پڑ گیا۔ معتزلہ ایک فرقہ ہے جن کا بنیادی اصول یہ ہے کہ ہر معاملہ میں عقل کو شرعی نصوص پر مقدم کیا جائے۔ ان کے امتیازی مسائل اور اصول پانچ ہیں:

(۱) توحید: توحید سے ان کی مراد اللہ عزوجل کی تمام صفات کا انکار ہے، کیونکہ ان کی دانست میں صفات کے اثبات سے اللہ عزوجل کی مخلوق سے مشابہت لازم آتی ہے جو کہ شرک ہے، لہذا اس سے بچنے کے لئے ضروری ہے کہ تمام صفات کا انکار کر دیا جائے، اسی لئے جب بھی معتزلہ، اللہ عزوجل کا تعارف بیان کرتے ہیں تو منفی اسلوب میں کرتے ہیں یعنی: اللہ جو نہ جسم ہے نہ جوہر ہے، نہ عرض ہے، نہ اوپر ہے نہ نیچے ہے۔۔۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے خود ہزاروں آیات میں اپنی صفات بیان فرمائی ہیں، اور اہل سنت ان تمام صفات کا اثبات کرتے ہیں، البتہ ان صفات میں وہ اللہ عزوجل کو مخلوق کے مشابہ قرار نہیں دیتے بلکہ ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ عزوجل اپنی تمام صفات سے ایسے موصوف ہے جس طرح اس کی شان کے لائق ہے۔

(۲) عدل: عدل سے ان کی مراد ہے تقدیر کا انکار کرنا، کیونکہ ان کی دانست میں اللہ عزوجل کے عدل کا تقاضا یہ ہے کہ وہ لوگوں کو گمراہ نہ کرے، لہذا جو شخص بھی گمراہ ہے تو وہ خود اس گمراہی اور گناہ کو کرنے والا ہے، اللہ تعالی نے اسے گمراہ نہیں کیا، بلکہ انسان اپنے تمام افعال کا خود ہی خالق ہے، اللہ تعالی بندوں کے اعمال کو تخلیق نہیں فرماتا۔ جبکہ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے کائنات کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے بندوں کی تقدیریں لکھ دی تھیں، اور تقدیر میں لکھا جا چکا ہے کہ کون ہدایت یافتہ ہے اور کون گمراہ ہے، اور اللہ تعالی ہدایت اسے ہی عطا فرماتا ہے جسے اللہ تعالی ہدایت کا مستحق سمجھے اور یہ ہدایت محض اللہ عزوجل کا فضل ہے، اور اللہ تعالی اسے گمراہ کرتا ہے جسے اللہ عزوجل اس کے اپنے اعمال کی بدولت ہدایت کا مستحق نہ سمجھے، اور یہ محض اللہ تعالی کا عدل وانصاف ہے۔ لہذا ہدایت وگمراہی اور نیکی اور بدی اور دیگر تمام افعال کا خالق بندے (بقیہ اگلے صفحہ پر۔۔۔

③ تفسیر قرطبی (4/165)

بات ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے"۔ ①

اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾

ترجمہ: "اور کہو کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ پس تم اسی پر چلو، اس کے سوا دوسرے راستوں پر نہیں چلنا، کہ وہ تم کو ہٹا دیں اس کی راہ (حق وصواب) سے، اسی کی تاکید فرمائی ہے اس نے تم کو تا کہ تم لوگ بچ سکو"۔

ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اللہ تعالی فرما رہا ہے کہ: اے لوگوں! یہ وہ وصیت ہے جو تمہارے رب نے کی ہے، جو

(بقیہ حصہ) نہیں بلکہ اللہ ﷻ ہے، جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ﴾ (الصافات: 96)، ترجمہ: اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو"۔

(۳) منزلہ بین المنزلتین: یعنی دو منزلوں کے درمیان ایک منزل، دراصل یہی وہ مسئلہ ہے جس پر واصل بن عطا نے امام حسن بصری رحمہ اللہ سے اختلاف کیا اور علیحدہ ہو گیا۔ اس اصول کا معنی یہ ہے کہ گناہ گار شخص کو مومن قرار نہیں دیا جائے گا، لیکن اسے کافر بھی نہیں کہا جائے گا بلکہ وہ ان دو منزلوں کے درمیانی منزل پر ہے، اگر وہ توبہ کر لیتا ہے تو مومن بن جائے گا اور اگر وہ توبہ کے بغیر فوت ہو گیا تو وہ دائمی جہنمی ہے۔ جبکہ شریعت کے نصوص ودلائل قرآن وحدیث سے یہ بات واضح ہے کہ ایسا شخص جو کلمہ گو ہو اگر اس سے کچھ گناہ سرزد ہو جائیں یا وہ کبائر گناہ کا ارتکاب کر لے تو وہ ایمان سے خارج نہیں ہوتا، اسے اس کے اصل ایمان کی بدولت مومن کہا جائے گا، اور درجات محض دو ہی ہیں، یا مومن ہے یا کافر ہے، جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا﴾ (الانسان: 3)، ترجمہ: "بے شک ہم نے اسے راستہ دکھا دیا یا تو وہ شکر گزار ہے اور یا ناشکرا"۔

(۴) وعدہ اور وعید: اس سے ان کی مراد ہے کہ آخرت میں اہل کبائر پر وعید کا نفاذ ہو گا، اور اللہ ﷻ ان کے معاملہ میں کسی کی شفاعت قبول نہیں کرے گا، انہیں جہنم سے نجات نہیں دے گا، اور وہ دائرہ اسلام سے خارج اور ابدی جہنمی ہیں۔ جبکہ قرآن وحدیث کے بیشمار دلائل سے یہ بات واضح ہے کہ اس امت کے اہل کبائر جنہوں نے شرک نہ کیا ہو ان کا معاملہ اللہ ﷻ کی مشیت وارادہ کے تحت ہے چاہے تو اللہ ﷻ انہیں عذاب دے کر جنت میں داخل فرما دے، چاہے تو انہیں بغیر عذاب کے جنت میں داخل فرما دے، اسی طرح اہل کبائر شفاعت کے بھی حقدار ہیں، اور انہیں شفاعت کا فائدہ بھی پہنچے گا، جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: شفاعتي لأهل الكبائر من أمتي، (مسند احمد: 12810) ترجمہ: "میری شفاعت میری امت کے اہل کبائر کے لئے ہے"۔

(۵) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر: اگرچہ نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا ایک دینی فریضہ ہے اور قرآن وحدیث میں اس کی بہت تاکید آئی ہے، لیکن معتزلہ کے نزدیک امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یہ ہے کہ گناہ گار حکمرانوں کے خلاف خروج کیا جائے۔ جبکہ احادیث میں یہ بات واضح ہے حکمرانوں کے خلاف اس وقت تک خروج کرنا جائز نہیں جب تک کہ وہ کوئی ایسا کفریہ عمل نہ کر لیں جس کے متعلق اللہ تعالی کی جانب سے واضح دلیل وبرہان موجود ہو، اور ان حکمرانوں کے خلاف خروج کرنے سے مسلمانوں میں مزید فتنہ اور انتشار نہ پھیلے اور خون خرابہ نہ ہو۔ (مترجم)

① تفسیر ابن کثیر (1/396)

کہ (اس آیت سے گزشتہ) ان دو آیات [1] میں ہے ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ ﴾ اور ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ﴾، اور اللہ تعالی تمہیں ان آیات میں بیان کردہ احکامات کی تابعداری کا حکم دے رہا ہے اور وہی اس کا راستہ ہے، یعنی اس کا وہ راستہ اور وہ دین جسے اس نے اپنے بندوں کے لئے پسند کیا ہے، "مُسْتَقِيْمًا" یعنی سیدھا راستہ جس میں حق سے روگردانی نہ ہو، "فَاتَّبِعُوْهُ" یعنی اس پر عمل پیرا ہو جاؤ، اور اسے اپنے آپ کے لئے مشعل راہ بنالو، "وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ" اس راستہ کے سوا کسی اور راہ پر گامزن نہ ہو جانا، اس کے سوا کسی اور طریقہ کو اپنا مشعل راہ نہ بنانا، نہ ہی اس دین کے برخلاف کسی اور دین کو اختیار کرنا، چاہے وہ یہودیت ہو، عیسائیت ہو، مجوسیت ہو، بت پرستی ہو یا اس کے سوا کوئی اور مذہب ہو، کیونکہ یہ سب ادیان محض بدعات و گمراہی ہیں، "فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ" اگر تم نے ایسے راستوں اور ادیان کی پیروی کی جن کی اللہ ﷻ سے کوئی نسبت نہیں ہے تو یہ راہیں تمہیں اللہ کے راستہ سے بھٹکا دیں گی، "عَنْ سَبِيْلِهٖ" یعنی اللہ ﷻ کے راستہ سے اور اس کے دین سے جسے اللہ نے مقرر کیا اور اسے پسند کیا ہے، اور وہ درحقیقت صرف اسلام ہے، اور یہی وہ دین ہے جس کی وصیت اللہ ﷻ نے تم سے پہلے آنے والے انبیاء علیہم السلام اور ان کی امتوں کو کی"۔ [2]

پھر ابن جریر رحمہ اللہ نے سند کے ساتھ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث ذکر کی، ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ایک دن رسول اللہ ﷺ نے ہمارے لئے ایک لکیر کھینچی اور فرمایا: "یہ اللہ کا راستہ ہے"، پھر اس لکیر کے دائیں اور بائیں جانب کئی لکیریں کھینچیں اور فرمایا: یہ مختلف راستے ہیں، ان میں سے ہر ایک راستہ پر ایک شیطان کھڑا ہے جو اس راستہ کی طرف بلا رہا ہے، پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴾، پھر ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا کہ ایک شخص نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے

---

[1] جن دو آیات کی طرف اشارہ ہے وہ یہ آیات ہیں: (1) ﴿ قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴾
ترجمہ: ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں جو کچھ حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے یہ کہ اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرانا کسی چیز کو، اور اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، اور یہ کہ قتل نہیں کرنا اپنی اولاد کو تنگدستی کے ڈر سے کہ روزی ہم ہی دیتے ہیں تمہیں بھی اور انہیں بھی، اور (یہ کہ) قریب نہیں جانا (بے شرمی اور) بے حیائی کے کاموں کے، خواہ وہ کھلے ہوں یا چھپے، اور یہ کہ تم لوگ قتل نہیں کرنا کسی ایسی جان کو جس کو حرام ٹھہرایا ہو اللہ نے مگر حق کے ساتھ، یہ وہ باتیں ہیں جن کی تاکید فرمائی ہے اس نے تم کو تاکہ تم لوگ عقل سے کام لو"۔

(2) ﴿ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴾
ترجمہ: اور یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر ایسے طریقے سے جو کہ مستحسن ہے یہاں تک کہ وہ اپنے سن رشد تک پہنچ جائے اور ناپ تول پوری پوری کرو، انصاف کے ساتھ ہم کسی شخص کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے اور جب تم بات کرو تو انصاف کرو گو وہ شخص قرابت دار ہی ہو اور اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا اس کو پورا کرو ان کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

[2] تفسیر طبری (5/396)

پوچھا کہ:" صراط مستقیم کیا ہے؟"، ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس راستہ کے ایک کنارے پر چھوڑا ہے اور اس کا دوسرا کنارہ جنت میں ہے، اس کے دائیں طرف بھی راستے ہیں اور اس کے بائیں طرف بھی راستے ہیں اور ان راستوں پر کچھ لوگ کھڑے ہیں جو وہاں سے گزرنے والوں کو اپنی طرف بلاتے ہیں، تو جو شخص ان راستوں پر چل پڑا اس کا اختتام جہنم پر ہوگا، اور جو سیدھے راستے پر چلتا رہا وہ جنت تک جا پہنچے گا، پھر ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿وَأَنَّ هٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾۔

جماعت سے کیا مراد ہے؟

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: احادیث میں ذکر کردہ جماعت کے معنی و مراد کے حوالہ سے علماء کے پانچ مختلف اقوال ہیں:

1. اس سے مراد اہل اسلام کی سب سے بڑی جماعت ہے۔
2. اس سے مراد علماء اور مجتہدین ہیں۔
3. اس جماعت سے مراد صحابہ کی جماعت ہے۔
4. اس سے مراد اہل اسلام کی جماعت ہے جب وہ کسی معاملہ پر مجتمع ہو جائیں تو دیگر اہل مذاہب پر واجب ہے کہ ان کی پیروی کریں۔[1]
5. امام طبری رحمہ اللہ کے نزدیک اس سے مراد مسلمانوں کی وہ جماعت ہے جو کسی امیر (حکمران) پر جمع ہو جائے، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لازم پکڑنے کا حکم دیا ہے، اور جب مسلمان ایک شخص کے حاکم ہونے پر اور اسے رہنما بنانے پر متفق ہو جائیں تو اس جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے یا اختلاف کرنے سے منع فرمایا ہے۔[2]

جماعت کے معنی میں اہل علم کے کلام کا خلاصہ، اور جس پر تمام دلائل (احادیث) میں تطبیق ہو جاتی ہے

وہ یہ ہے کہ اس سے مراد دو باتیں ہیں:

1. اس سے مراد وہ جماعت ہے جو اس عقیدہ اور عمل پر جمع ہو جائے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے، اسی لئے" حدیث افتراق"[3] میں ہے کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جماعت ناجیہ (وعید جہنم سے نجات یافتہ جماعت) کے بارے میں دریافت کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:" وہی جماعت ہے"[4]۔ اور یہی معنی اللہ عزوجل کے اس فرمان

[1] اس قول کو امام شاطبی رحمہ اللہ نے کسی قائل کی طرف منسوب نہیں فرمایا، اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ قول انتہائی ضعیف بلکہ باطل ہے۔
[2] الاعتصام (2/77)
[3] وہ حدیث جس میں امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تہتر (73) فرقوں میں بٹ جانے کا ذکر ہے۔
[4] ابن ماجہ (کتاب الفتن: 3993)

کا بھی ہے: ﴿وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰهِ جَمِيۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا﴾ "سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑلو اور تفرقہ میں نہ پڑو"، اور اسی معنی کے ذریعہ آپ جان سکتے ہیں کہ مختلف فرقے، گروہ اور جماعتیں، مسلمانوں کی اس جماعت کے مفہوم سے خارج ہیں [1]، کیونکہ ان کے عقائد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقائد جیسے نہیں ہیں، ان کا منہج نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منہج جیسا نہیں ہے، اور نہ ہی ان کا راستہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ ہے، انہوں نے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی ہے، بعض تو مخالفت میں حد سے گزر گئے، بعض کی مخالفت کم رہی، لیکن جس نے بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ذرا سی بھی مخالفت کی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا بہر حال ان سے کچھ بھی تعلق نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " میں حوض کوثر پر تمہارا استقبال کروں گا، جو میرے پاس آئے گا وہ اس حوض سے سیراب ہوگا، اور جس نے ایک دفعہ پی لیا وہ دوبارہ کبھی پیاسا نہیں ہوگا، میرے پاس کچھ لوگ آئیں گے، میں انہیں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے، پھر میرے اور ان کے درمیان رکاوٹ حائل کردی جائے گی، میں کہوں گا کہ: وہ مجھ سے (تعلق رکھتے) ہیں، تو مجھے بتایا جائے گا کہ: آپ نہیں جانتے انہوں نے آپ کے بعد (دین میں) کیا اضافے کر لئے تھے، تو میں کہوں گا: (انکے لئے) ہلاکت ہو بربادی ہو"۔ [2]

تو یہ لوگ مسلمان ہوں گے [3] لیکن انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حوض سے دور ہٹادیا جائے گا، کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عقیدے، عمل، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس منہج سے علیحدگی اختیار کرلی تھی جو منہج اللہ ﷻ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک پر نازل کیا تھا تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاحیات اس منہج پر قائم رہیں۔

(7) مسلمانوں کا ایک امیر پر جمع ہوجانا، اور اس کی دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ: " تین چیزیں ایسی ہیں جن کے ہوتے ہوئے مسلمان کے دل میں غلول (خیانت) نہیں رہ سکتی (۱) اپنے عمل کو اللہ ﷻ کے لئے خاص کرلینا (۲) مسلمانوں کے ائمہ (علماء اور حکمران) کے لئے خیر خواہی کرنا، (۳) مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا"۔

---

[1] یہاں پر ایک بات قابل ذکر وتنبیہ ہے کہ مسلمانوں کی اصل جماعت کی طرف بلانا یا اس کی دعوت دینا، فرقہ واریت اور گروہ بندی میں شامل نہیں، بلکہ یہ تفرقہ کی ضد اور اجتماعیت کی اساس اور بنیاد ہے۔ یقیناً اصل جماعت ومنہج پر قائم رہنا اور اس کی طرف بلانا ہی دینداری اور مقصود دین ہے۔ ہر دور میں اور خصوصاً عصر حاضر میں اس منہج ودعوت کی پہچان یہ ہے کہ اس میں کسی امتی کی پیروی کی دعوت نہیں ہوگی چاہے وہ امتی کتنا ہی صاحب شرف وفضیلت ہو، بلکہ محض مسلمانوں کے یکتا وبے مثل قائد ورہنما یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی دعوت ہوگی۔ اور یہ انفرادیت اور امتیاز صرف منہج اہلحدیث ہی کا خاصہ ہے کہ جس میں محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری وفرمانبرداری کا درس دیا جاتا ہے۔ لہذا منہج اہلحدیث کی طرف بلانا یا اس کی دعوت دینا فرقہ واریت نہیں بلکہ اجتماعیت ہے، اور اختلاف نہیں بلکہ اتفاق واتحاد ہے۔ (مترجم)

[2] صحیح بخاری (کتاب الرقاق: 6212)

[3] یہاں پر شیخ رحمہ اللہ نے یہ بات واضح کردی ہے کہ جماعت کے مذکورہ مفہوم سے خارج افراد دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہیں، نہ ہی وہ کافر ہیں بلکہ وہ اپنی بدعات کے لحاظ سے وعید جہنم کے مستحق ہیں، اگر ان کی بدعات کفریہ ہیں تو وہ ملت اسلامیہ سے خارج ہیں، اور اگر ان کی بدعات کفریہ نہیں ہیں تو وہ مشیت الٰہی کے تحت ہیں، اللہ ﷻ چاہے تو انہیں معاف فرما کر جنت میں داخل فرمادے چاہے تو انہیں جہنم کا عذاب دے کر پھر جنت میں داخل فرمادے۔ (مترجم)

جماعت کے اس دوسرے معنی کے حوالہ سے یہ کہنا بجا طور پر درست ہوگا کہ جماعت کا پہلا معنی اس وقت تک مکمل نہیں ہوسکتا جب تک کہ دوسرے معنی والی جماعت موجود نہ ہو، یعنی مسلمانوں کے لئے غلبہ، عزت اور نصرت اس وقت تک ناممکن ہے جب تک کہ وہ ایک امام پر جمع نہ ہوجائیں، لہذا یہ تو ممکن ہے کہ پہلے معنی کی بنیاد پر آپ اکیلے ہی جماعت ہوں کہ آپ اس عقیدہ پر ہوں جس پر نبی ﷺ اور آپ ﷺ کے صحابہ تھے، لیکن آپ کے لئے جماعت کا دوسرا معنی ثابت نہیں ہوسکتا، کیونکہ اکیلے ہونے کی صورت میں آپ کو کبھی بھی غلبہ اور نصرت حاصل نہیں ہوسکتی، اسی وجہ سے نبی ﷺ اس دوسری جماعت کی شدید حرص اور خواہش رکھتے تھے، یعنی لوگوں کا ایک امام پر جمع ہوجانا، اسی لئے آپ ﷺ نے مسلمانوں کو حکمرانوں کے ظلم وستم اور مال کی لوٹ کھسوٹ پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: "ان (حکمرانوں) کا حق انہیں دو اور اپنا حق تم اللہ ﷻ سے طلب کرو"، اور آپ ﷺ سے کہا گیا کہ: " آپ کا کیا خیال ہے اگر حکمران ہم پر زبردستی حاکم بن بیٹھیں؟" تو آپ ﷺ نے فرمایا: "ان پر ان کی ذمہ داریوں (اور اعمال) کا بوجھ ہے، اور تم پر تمہاری ذمہ داریوں (اور اعمال) کا بوجھ ہے[1]"۔ اور نبی ﷺ نے مسلمانوں کو حاکم پر خروج کرنے سے سختی سے منع فرمایا ہے، کیونکہ مسلمانوں کو ایک حاکم پر جمع ہوجانے سے جو فوائد حاصل ہوتے ہیں وہ اس حاکم کی جانب سے ملنے والے نقصانات کی نسبت انتہائی کم ہوتے ہیں۔

جمہوریت اور اسلام

اس بات کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں چاہئے کہ ہم ان تحریکوں سے بچ کر رہیں جو آج کل ہمیں ڈیموکریسی (جمہوریت) کی طرف بلا رہے ہیں، اور اس تحریک کو بہت سے مبلغین نے بھی اپنا رکھا ہے،[2] وہ کہتے ہیں کہ: " آج مسلم معاشروں کے لئے جمہوریت ہی سب سے بہترین نظام ہے، کیونکہ مسلمان معاشرے انتہائی مظلوم ہیں، ان پر مسلط حاکم اپنی مرضی سے فیصلے کرتے ہیں اور اللہ ﷻ کی شریعت کا نفاذ نہیں کرتے"، لہذا نظام جمہوریت ان کے گمان میں حکمرانوں کے ظلم وستم کے

---

[1] صحیح بخاری (1864)

[2] اس مقام پر چند باتوں کی وضاحت نہایت ضروری ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ شیخ ﷫ جن تحریکوں کا تذکرہ فرما رہے ہیں یہ وہ تحریکیں ہیں جو بلاد عرب اور خصوصاً دیار حرمین میں زور وشور سے چلائی جارہی ہیں اور جمہوریت جیسے مکروہ نظام کو ہر مسئلہ کا حل گردانا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک عزیز میں تو یہ بیماری ہمیں ورثہ میں ملی ہے اور ہم ابتداء ہی سے اس مکروہ نظام کے جال میں گرفتار ہیں، یعنی دیار حرمین کے مسلمانوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس فتنہ کو آنے سے روک کر رکھیں، لیکن وطن عزیز کے مسلمانوں کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس بیماری سے نجات حاصل کرنے کے لئے تگ ودو کریں، اور جب تک جمہوریت کے مکروہ اور بدبودار نظام سے باہر نہ نکلیں اس وقت تک یہ تگ ودو جاری رکھیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس تگ ودو کی نوعیت کیسی ہونی چاہئے؟، تو اس حوالہ سے بھی مسلمانوں میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، ایک طرف ایسے افراد ہیں جو اس کا حل تکفیر اور تخریب کاری میں تلاش کرتے ہیں، ان کا طریقہ کار یہ ہے کہ جو لوگ بھی جمہوریت اور دیگر طاغوتی نظام میں چل رہے ہیں ان تمام مسلمانوں کو کافر قرار دے کر تہہ تیغ کردیا جائے، (بقیہ اگلے صفحے پر۔۔

مقابلہ میں بہتر ہے اور کم نقصان دہ ہے، جبکہ ایسا سمجھنا ان کی بہت بڑی غلطی ہے، اور اس حقیقی اصلاح کی اصلیت سے لاعلمی ہے جس پر گامزن رہنا اور اس کیلئے کوشش کرتے رہنا علماء اسلام پر واجب ہے، کیا اصلاح یہی ہے کہ امت کا حال درست کرنے کے لئے مغرب سے نظام اور طرز حکمرانی درآمد کی جائے؟ کیا یہی وہ منہج ہے جس پر چلنے کا اللہ ﷻ نے حکم دیا ہے؟۔

پھر ذرا یہ تو بتایئے کہ ڈیموکریسی (نظام جمہوریت) کا معنی کیا ہے؟، اس (نظام) کا مطلب ہے " لوگوں کی حکومت لوگوں کے لئے"، اور یہ اللہ ﷻ کے ساتھ صریح کفر ہے، کیونکہ (اس نظام میں) لوگ ایک دستور (قانون) بناتے ہیں اور اسی کے ذریعہ سے اپنے فیصلے کرتے ہیں، اور یہی درحقیقت طاغوت کی حکمرانی (کو نافذ کرنا) ہے، ایک رخ تو اس نظام کا یہ ہے، دوسری جانب اس نظام میں بندوں پر اللہ کا جو حق ہے وہ سرے سے غائب ہے، کیونکہ نظام جمہوریت کو نافذ کرنے کا مطلب ہے مرجعیت[1] کو ضائع کر دینا اور کتاب وسنت کے نفاذ کو ترک کر دینا، تو پھر (اس معاشرہ میں) ہوگا یہ کہ ایک

(بقیہ حصہ) یہ سوچ بجائے اصلاح کے خود فساد پر مبنی ہے اور مزید فتنہ کا سبب ہے۔ دوسری جانب بعض جماعتیں ایسی ہیں جن کا خیال ہے کہ اس نظام میں شامل ہو کر اس کی اصلاح کی جاسکتی ہے، اور یہ سوچ بھی یقیناً خلاف اسلام ہے، شریعت نے تو ہمیں اس بات کا درس دیا ہے کہ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں روکا جائے گا، جادو کا علاج جادو کے ذریعہ نہیں کیا جائے گا، موسیقی کا علاج قوالی کے ذریعہ نہیں کیا جائے گا، بدعات کا خاتمہ نئی بدعات کو ایجاد کر کے نہیں کیا جائے گا، اسی طرح جمہوریت کا سدباب اس میں شامل ہو کر نہیں کیا جائے گا، جبکہ یہ نظام اسلام سے متصادم ہو اور اللہ ﷻ کی حاکمیت کو کھلا چیلنج ہو، اور دوسری جانب یہ بات بھی ہم جانتے ہیں کہ ایک طویل عرصہ گزرنے کے باوجود جن اسلامی جماعتوں نے اس میں شمولیت اختیار کی ان کی شمولیت سے جمہوریت میں کوئی دراڑ پڑنا تو در کنار الٹا اسلام اور مسلمانوں کو گزند ضرور پہنچی ہے اور ان کے منہج اور عقائد میں بہت زیادہ بگاڑ پیدا ہوا ہے، لہذا اس دوسری سوچ کو بھی قابل اعتناء نہیں سمجھا جاسکتا۔ البتہ اس کے حوالہ سے درست اور صحیح وحق منہج یہی ہے کہ اس نظام سے دور رہا جائے، لوگوں کو صحیح اسلام کی دعوت دی جائے، ایسے افراد کو اسلامی تعلیمات کے ذریعہ دینی طور پر باشعور کیا جائے جو آئندہ چل کر اس نظام کے خلاف تکفیر و تخریب سے بچ کر ایسی جدوجہد کریں جو حقیقی دینی نظام کی راہ استوار کرنے میں معاون ہو۔ البتہ جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ اس نظام کے ہوتے ہوئے ایک مسلمان کو کیا کرنا چاہئے، کیا اس میں حصہ لینا چاہئے یا نہیں؟ کیا انتخابات میں شرکت کرنی چاہئے؟ اس حوالہ سے میں امام اہل سنت امام البانی ؒ کا قول ذکر کرنا چاہوں گا، امام البانی ؒ فرماتے ہیں: " انتخابات کے حوالہ سے ہمارے دو موقف ہیں، علم شرعی سے کورے شخص کو ابتدائی طور پر ایسا محسوس ہوگا کہ ان دونوں کے درمیان تضاد ہے، لیکن الحمدللہ ان دونوں موقف کے درمیان کوئی تضاد نہیں۔ (پہلا موقف) یہ ہے کہ ہم کسی مسلمان کو انفرادی طور پر یا جماعتی حیثیت سے انتخابات میں کھڑا ہونے اور مقابلہ کرنے کا مشورہ نہیں دیتے، اور اس کی وجہ آپ جانتے ہیں۔ (شیخ ؒ نے جمہوریت کے غیر اسلامی ہونے کی جانب اشارہ فرمایا ہے)۔ (دوسرا موقف) یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی ایسی ریاست میں ہوں جہاں جمہوریت کا تسلط ہو اور مختلف جماعتیں پارلیمنٹ میں پہنچنے کے لئے تگ ودو کر رہی ہوں اور اس موقع پر چند دیندار مسلمان انتخابات میں کھڑے ہوں، اور یہاں پر ہم دوبارہ وضاحت کر دیں کہ انتخابات لڑنے کی ہم کسی مسلمان کو نہ تجویز دیتے ہیں نہ ہی اس کے لئے جائز سمجھتے ہیں، لیکن ہم جانتے ہیں کہ بہت سے مسلمان انتخابات میں ضرور حصہ لیں گے اس لئے اگر کوئی دیندار مسلمان انتخابات میں حصہ لے تو ایک عام مسلمان کو چاہئے کہ وہ ایسے شخص کو منتخب کرے جو اسلام کے لئے فائدہ مند اور کارآمد ہو۔ اس لئے کہ ایک فقہی قاعدہ ہے کہ جب ایک مسلمان دو برائیوں میں پھنس جائے تو اسے کم نقصان والی اور نسبتاً ہلکی برائی کو اختیار کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم اور دوسری بات یہ ہے کہ آگے چل کر شیخ ؒ اس بات کی وضاحت فرمائیں گے کہ جمہوریت غیر شرعی غیر اسلامی نظام ہے اور اس کے دلائل بھی ذکر ہوں گے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ اس نظام کو غیر اسلامی کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اس نظام کے تحت چلنے والا ہر شخص دائرہ اسلام سے خارج ہے کیونکہ کسی عمل کے کفریہ ہونے اور اس عمل کو انجام دینے والے پر کفر کا حکم لگانے میں بہت فرق ہے، اس کے درمیان کئی مراحل ہیں جن کو طے کرنا اور ان کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ (مترجم)

[2] مرجعیت سے مراد قرآن وحدیث ہیں، کیونکہ مرجع سے مراد وہ قانون اور دستور ہے جس کی طرف فیصلہ کے لئے رجوع کیا جاتا ہے، اور مسلمانوں کے مرجع اور ماخذ صرف اور صرف قرآن وحدیث ہیں۔ (مترجم)

رافضی، ایک مسلمان، ایک یہودی ایک عیسائی کے درمیان کوئی فرق نہیں رہے گا[1]، اور اس قسم کے رویے اور قوانین سے اللہ ﷻ کا جو بندوں پر حق ہے وہ ضائع ہو جاتا ہے۔

انہیں آخر جمہوریت کی کیا بات پسند آتی ہے؟ یہ لوگ کہتے ہیں: "نظام جمہوریت اس لحاظ سے دیگر نظاموں سے ممتاز ہے کہ اس میں ایک شخص مستقل حاکم نہیں رہتا، بلکہ وہ ایک عرصہ تک حکومت کرتا ہے پھر کوئی دوسرا آجاتا ہے، اور اس وجہ سے وہ سارا مال اپنے قبضہ میں نہیں کر سکتا"، ان کی نظر میں حکومت، مال اور اسی قسم کی چیزوں کی اہمیت ہے، ان لوگوں نے کبھی اللہ ﷻ کے حق کو اہمیت نہیں دی، اور (افسوس کی بات یہ ہے کہ) نظام جمہوریت کو بہترین قرار دینے کے اس نظریہ میں سیکولر افراد کے ساتھ ایسے لوگ بھی شریک ہیں جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں[2]۔

اسلام نے حاکم اور رعایا کے ایسے حقوق مقرر کئے ہیں جو کسی بھی طرح حالیہ نظام جمہوریت سے مطابقت نہیں رکھتے، اسلام میں حاکم کے تخت سلطنت پر فائز رہنے کے لئے چند سالوں کی حد بندی نہیں ہے، بلکہ اسلام کے ابتدائی دور سے اسلامی حکومت تو استخلاف (نظام خلافت) کے ذریعہ ہی چلتی آئی ہے، اور حاکم اللہ ﷻ کی جانب سے رعایا میں عدل قائم کرنے کا پابند ہے (اور اس پر چند سالوں کی پابندی نہیں ہے)، نیز یہاں یہ تنبیہ کرنا بھی ضروری ہے کہ اسلامی معاشرے کی اصلاح صرف حاکم کے درست ہونے سے نہیں جڑی ہوئی، بلکہ عوام کی درستی اور ان کا راہ راست پر ہونا بھی ضروری ہے، کیونکہ حاکم بھی تو اسی معاشرے کا ہی ایک فرد ہے جس معاشرے میں وہ رہ رہا ہے، اگر وہ معاشرہ نیک ہوگا تو حاکم بھی نیک ہوگا، اور اگر معاشرہ برا ہوگا تو حاکم بھی اسی طرح ہوگا، اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَكَذَٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (الانعام 129) ترجمہ: "اور اسی طرح ہم ظالموں کو ان کے اعمال کے سبب جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے پر مسلط کر دیتے ہیں، اور بعض سلف صالحین کا قول ہے کہ: "جس طرح تم خود ہوگے اسی طرح کا حاکم تم پر مسلط کیا

---

[1] جبکہ دین اسلام میں مسلمان اور کافر کے حقوق میں فرق ہے، کافر اگر اسلامی ریاست میں رہتا ہے تو جزیہ ادا کرتا ہے اور ذمی بن کر رہتا ہے، جبکہ مسلمان پر کوئی جزیہ نہیں، ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے نصف ہے، حکمران کے انتخاب اور اس کی بیعت میں ذمی کا کوئی اعتبار اور شمار نہیں، اور اسی طرح کے دیگر حقوق ہیں جن میں مسلمان اور ذمی یا کافر کے درمیان واضح فرق موجود ہے۔ لیکن اس بات کا یہ مقصد نہیں کہ اسلام میں اقلیتوں کے کوئی حقوق نہیں بلکہ جو حقوق اقلیتوں کو اسلام نے دیئے ہیں اس کا کسی مذہب اور ریاست کے ہاں تصور بھی نہیں ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں غیر مسلم کی جان و مال اور عزت کی حفاظت بعینہ اسی طرح کی جاتی ہے جس طرح ایک مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ کیا جاتا ہے، صحیح بخاری میں نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "جس نے کسی ذمی کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا جبکہ جنت کی خوشبو چالیس سال کی مسافت کے فاصلہ سے آتی ہے"۔ (بخاری: 3166)۔ لیکن امور سلطنت، معیشت و معاشرت میں فیصلہ سازی و مشورہ کا حق صرف مسلمانوں کو ہے، کوئی غیر مسلم اسلامی ریاست کے امور سلطنت و عدالت میں نہ کوئی اختیار رکھتا ہے نہ کسی قسم کی شراکت داری کا حق رکھتا ہے۔ (مترجم)

[2] بلکہ بہت سے افراد تو ایسے ہیں جنہوں نے اپنی تحریکوں کا نام تو اسلامی رکھا ہوا ہے لیکن ان کی بھرپور حمایت، و تائید اور مکمل جدوجہد صرف اسی نظام کے گرد گھومتی ہے، اور اس نظام کی حفاظت اور دفاع کو ہی وہ اپنی لاعلمی اور جہالت کی بناء پر کار ثواب بلکہ جہاد تک کا درجہ دیتے ہیں۔ (مترجم)

جائے گا"۔علاوہ ازیں امت کے اقتصادی اور معاشرتی حالات کی درستی شرعی اسباب کے ساتھ جڑی ہوئی ہے، اور انہی شرعی اسباب کے ذریعہ اللہ ﷻ کی "کونی سنتیں" [1] وقوع پذیر ہوتی ہیں، اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتَّىٰ يُغَيِّرُوا مَا بِأَنفُسِهِمْ﴾ (الرعد: 11)، ترجمہ: "بیشک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں"، اور اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا﴾ (النساء: 66)، ترجمہ: "اور انہیں جو نصیحت کی جاتی ہے اگر وہ اس پر عمل پیرا ہو جاتے تو یہ ان کے حق میں بہتر ہوتا اور (ایمان پر) بہت زیادہ ثابت قدم رکھنے والا ہوتا"، اسی طرح اللہ ﷻ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ (الاعراف: 96)، ترجمہ: اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات کے خزانے کھول دیتے مگر انہوں نے تو تکذیب کی تو ان کے اعمال کی سزا میں ہم نے ان کو پکڑ لیا"، اور اللہ ﷻ نے فرعون کے بارے میں فرمایا: ﴿فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَأَطَاعُوهُ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَاسِقِينَ﴾ (الزخرف: 54)، ترجمہ: "غرض اس نے اپنی قوم کی عقل ماردی اور انہوں نے اس کی بات مان لی بیشک وہ نافرمان لوگ تھے"، اگر قوم فرعون نیک لوگ ہوتے تو فرعون انہیں بے وقوف نہیں بنا سکتا تھا، لہذا ایک ایسے معاشرے کا قیام جو اللہ ﷻ کے احکامات کی فرمانبرداری کرتا ہو یہ اس معاشرے کے لئے سب سے بڑی ضمانت ہے کہ اللہ ﷻ ان پر ایک ایسا حاکم قائم فرمائے گا جو شریعت الٰہی کو نافذ کرے گا اور اس معاشرے میں عدل قائم کرے گا۔

اور جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اسلام ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے موزوں ترین ہے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اسلام ہر قسم کے معاشرے کی ثقافت اور روایات میں ڈھل جانے کی صلاحیت رکھتا ہے، بلکہ اسلام کا انسانی معاشرے کے لئے موزوں ہونا، اس معاشرے کا اسلام کو صحیح طور پر قبول کرنے، اور عقیدہ، شریعت اور طرز حیات میں اسلام کو مکمل طور پر اپنا لینے پر ہی منحصر ہے، نہ یہ کہ وہ معاشرے اسلام اور اسلامی تعلیمات ہی کو توڑ مروڑ کر اپنی روایتی ثقافت اور طرز زندگی کے مطابق بنالیں۔

---

[1] شیخ حفظہ اللہ کے اس جملہ کا مقصد یہ ہے کہ زمین میں امن وامان کا حاصل ہونا، بارشوں کا برسنا، زمین کا سبزہ اگانا، اور غلبہ وقوت کا ملنا، یہ سب چیزیں اللہ ﷻ کی "کونی" یعنی کائناتی سنتیں کہلاتی ہیں، اور یہ کونی سنتیں بالعموم شرعی اسباب سے جڑی ہوتی ہیں، اسی لئے استغفار کے ذریعہ بارشوں اور باغات کی کثرت کا ذکر قرآن مجید میں کئی مقامات پر مذکور ہے، اسی طرح کثرت زنا اور بدکاری کے نتیجہ میں معاشرے میں عجیب وغریب بیماریوں کے پھیلنے کا ذکر بھی بعض احادیث میں وارد ہے، وعلی ہذا القیاس۔(مترجم)

"والأساس الذي تبنى عليه الجماعة هم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم، ورحمهم الله أجمعين، وهم أهل السنة والجماعة، فمن لم يأخذ عنهم فقد ضل وابتدع، وكل بدعة ضلالة، والضلالة وأهلها في النار".

اوروہ بنیاد جس پر جماعت قائم ہے وہ محمد ﷺ کے صحابہ کرام ہیں، اللہ ان سب پر رحمت فرمائے، اوروہی اہل سنت والجماعت ہیں، لہذا جو شخص ان سے دین نہ لے تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے، اور تمام بدعات درحقیقت گمراہی ہیں، اور گمراہی اور گمراہ لوگ جہنم کا ایندھن ہیں۔

"الجماعۃ" اوراس کا مصداق

شرح ووضاحت:

جماعت کے معنی میں حق بات یہی ہے جو مؤلف نے بیان کی ہے، یعنی جماعت وہی ہے (جو اس دین ومنہج پر ہو) جس دین پر صحابہ کرام تھے یعنی عقیدہ، احکام، عبادات، اخلاق اور عادات میں وہ صحابہ کرام کے نقش قدم پر ہو۔

اس اصول پر قرآن وحدیث سے چند دلائل ملاحظہ ہوں

1 اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَالسَّابِقُونَ الْأَوَّلُونَ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنصَارِ وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُم بِإِحْسَانٍ رَّضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ وَأَعَدَّ لَهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي تَحْتَهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ (التوبۃ: 100)، ترجمہ: وہ مہاجر اور انصار جنہوں نے سب سے پہلے ایمان لانے میں سبقت کی اور وہ لوگ جنہوں نے احسن طریق پر ان کی اتباع کی، اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کرر کھے ہیں جن میں نہریں جاری ہیں۔ وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی بہت بڑی کامیابی ہے۔

اس آیت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ ﷻ نے صحابہ کرام کو پیشوا (رہنما) بنایا ہے، لہذا جو بھی ان کے بعد آئے گا وہ عقیدہ، شریعت اور منہج میں ان کا پیروکار ہوگا۔

اسی معنی میں اللہ ﷻ کا یہ فرمان بھی ہے: ﴿وَالَّذِينَ جَاءُوا مِن بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ﴾ (الحشر: 10) ترجمہ: "اور ان لوگوں کا (بھی اس مال فئے میں حق ہے) جو ان (مہاجرین وانصار) کے بعد آئے جو (ان مذکورین کے حق میں) دعا کرتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو (بھی) جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ہمارے

دلوں میں ایمان والوں کی طرف سے کینہ نہ ہونے دینا اے ہمارے رب تو بڑا شفیق ورحیم ہے"۔اور ایمانیات میں سب سے عظیم ترین چیز علم نافع اور عمل صالح ہے[1]، اسی لئے اللہ ﷻ نے فرمایا:﴿ فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهْتَدَوا وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ﴾ (البقرۃ:137)، ترجمہ: سو اگر یہ اہل کتاب ایسے ہی ایمان لائیں جیسے (اے صحابہ) تم لائے ہو تو وہ بھی ہدایت پالیں گے اور اگر اس سے منہ پھیریں تو وہ ہٹ دھرمی پر اتر آئے ہیں"، یعنی اگر مشرکین اور یہود ونصاری انکار کریں تو وہ محض اپنی ہٹ دھرمی پر قائم ہیں، پس جو شخص صحابہ کے ایمان جیسا ایمان لائے تو وہی ہدایت یافتہ ہے، اور جو انکی مخالفت کرے گا تو وہ کھلا گمراہ ہے۔

2 اللہ ﷻ کا فرمان ہے:﴿ كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ﴾ (آل عمران:110) ترجمہ:" تم ہی بہترین امت ہو جنہیں لوگوں (کی اصلاح وہدایت) کے لیے کھڑا کیا گیا ہے، تم لوگوں کو بھلے کاموں کا حکم دیتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو"۔

اس آیت سے مذکورہ اصول پر استدلال اس طرح ہے کہ اس آیت میں اللہ ﷻ نے صحابہ کرام کے لئے اس بات کی گواہی دی کہ وہ ہر نیکی کا حکم دیتے ہیں اور ہر برائی سے روکتے ہیں، تو اگر دینی احکامات میں سے کسی حکم کو صحابہ نے درست طور پر انجام نہ دیا ہوتا، بلکہ اس میں وہ کوتاہی کرتے تو (اس کا مطلب تو یہ ہوتا کہ) نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے عظیم فرض کو انہوں نے مکمل طور انجام نہیں دیا، کیونکہ صحیح فہم اور نیک عمل ہی درحقیقت نیکی ہے، اور ان دونوں کی ضد کو برائی کہتے ہیں، چاہے وہ ہر حوالہ سے ضد ہو یا اس میں تھوڑی بہت مخالفت پائی جاتی ہو، تو جب معاملہ ایسا ہی ہے (کہ صحابہ کرام نے ہر نیکی کا حکم دیا ہے اور ہر برائی سے روکا ہے) تو یہ ممکن نہیں کہ وہ خطا پر ہوں اور حق ان کے بعد آنے والوں کو نصیب ہو جائے[2]۔

3 اللہ ﷻ کا فرمان ہے:﴿ وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِّتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ﴾ (البقرۃ: 143)، ترجمہ: "اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ بنیں"۔

---

[1] یعنی اس امت میں صحابہ کرام سے بڑھ کر کسی کے پاس علم نافع اور عمل صالح نہیں ہے، اسی لئے اللہ ﷻ نے ان کے ایمان کو بطور معیار کے پیش کیا۔

[2] شیخ ﷫ کی اس بات کا مفہوم یہ ہے کہ صحابہ کرام نے نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کا فرض ادا کیا ہے اور اس بات کی گواہی اللہ ﷻ نے بھی مذکورہ آیت میں دی ہے، اگر خود صحابہ کرام سب کے سب غلطی پر ہوں تو وہ نیکی کا حکم کیسے دے سکتے ہیں اور اس کی گواہی اللہ ﷻ کیسے دے سکتا ہے؟ لہذا اس کا منطقی مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام صحیح دین اور منہج پر تھے اور ہمیں بھی صحابہ کرام کے منہج کی اتباع کرنی چاہئے۔(مترجم)

اس آیت سے مذکورہ اصول پر استدلال اس طرح ہے کہ اللہ ﷻ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بہترین اور معتدل امت قرار دیا ہے، اور یہی امت وسط (اعتدال اور درمیانی راہ) کا حقیقی مفہوم ہے [1]، لہذا اصحابہ کرام اپنے اقوال، اعمال اور نیتوں میں سب سے بہترین اور سب سے معتدل امت ہیں، اور اسی لئے وہ اس بات کے مستحق ٹھہرے کہ قیامت کے دن اس امت پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق گواہی دیں، اور اللہ ﷻ صحابہ کی اس امت پر گواہی کو قبول فرمائے گا، تو صحابہ کرام، اللہ ﷻ کے گواہ ہیں، اسی لئے اللہ ﷻ نے صحابہ کرام کی عظمت کو بیان فرمایا، ان کی شان کو بلند فرمایا، ان کی بے حد تعریف بیان فرمائی اور اپنے اس فرمان: ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ (الفرقان: 74) ترجمہ: "اے اللہ ہمیں تقوی اختیار کرنے والوں کا امام بنادے"، میں صحابہ کرام کو ان کے بعد آنے والوں کے لئے امام قرار دیا، اور چونکہ صحابہ کرام کا تزکیہ خود اللہ ﷻ نے فرمایا ہے اس لئے امامت کے اس وصف کا ان سے بڑھ کر کوئی حقدار نہیں ہوسکتا۔

4 اللہ ﷻ کا فرمان مبارک ہے: ﴿قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (یوسف: 108) ترجمہ: " آپ ان سے کہہ دیجئے کہ: میرا راستہ یہی ہے کہ میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں خود بھی اس راہ کو پوری روشنی میں دیکھ رہا ہوں اور میرے پیروکار بھی۔ اللہ پاک ہے اور مشرکوں سے میرا کوئی واسطہ نہیں"۔

اس آیت سے مذکورہ اصول پر استدلال اس طرح ہے کہ جس شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی، تو بے شک وہ اللہ ﷻ کی طرف یقیین محکم اور دلائل کے ساتھ دعوت دے رہا ہے اور جو شخص اللہ ﷻ کی طرف دلائل کے ساتھ دعوت دے رہا ہو تو اس کی اتباع کرنا واجب ہے، جیسا کہ اللہ ﷻ نے جنات کی یہ بات قرآن مجید میں ذکر فرمائی: ﴿يَا قَوْمَنَا أَجِيبُوا دَاعِيَ اللَّهِ وَآمِنُوا بِهِ﴾ (الاحقاف: 31)، ترجمہ: " اے ہماری قوم! اللہ کی طرف بلانے والے کی بات مان لو اور اس پر ایمان لے آؤ"، اس لئے کہ جس نے اللہ ﷻ کی طرف یقین محکم اور دلائل کے ساتھ دعوت دی اس نے علم کی بنیاد پر حق کی دعوت دی ہے، اور دین کی دعوت یعنی عقیدہ، شریعت اور منہج صحیح کی طرف بلانا درحقیقت اللہ کی طرف بلانا ہے، کیونکہ دین کی طرف بلانا دراصل اللہ ﷻ کے اوامر اور منہیات میں اللہ ﷻ کی اطاعت کی طرف بلانا ہے، اور صحابہ کرام تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے انتہائی فرمانبردار اور پیروکار تھے، لہذا جب وہ اللہ ﷻ کی طرف دعوت دیں تو ان کی اس پکار پر لبیک کہنا ضروری ہے۔

5 نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک فرمان جو صحیح بخاری و مسلم میں موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " سب سے بہترین زمانہ

---

[1] یعنی جو اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ وہ معتدل مزاج ہے، درمیانی راہ کو اختیار کرنے والا ہے تو اس کے دعوی کو پرکھنے کا صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس کے عقیدہ، دین و منہج کا موازنہ صحابہ کرام کے عقیدہ و منہج سے کیا جائے، اگر وہ صحابہ کرام کے عقیدہ و منہج پر ہے تو یقیناً وہ راہ اعتدال پر قائم ہے ورنہ اس کا دعوی غلط اور باطل ہے، کیونکہ اللہ ﷻ نے صحابہ کرام ہی کو راہ اعتدال پر قائم جماعت قرار دیا ہے۔ (مترجم)

وہ زمانہ ہے جس میں مجھے مبعوث کیا گیا ہے، پھر ان لوگوں کا زمانہ جو ان کے بعد ہیں، پھر جو ان کے بعد ہیں"[1]

اس حدیث سے مذکورہ اصول پر استدلال اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے یہ بتلا دیا ہے کہ آپ ﷺ کا زمانہ تمام زمانوں سے بہترین ہے، اور بہترین زمانہ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ اس زمانے کے لوگ (یعنی صحابہ کرام) ہر لحاظ سے سب سے بہتر ہیں، ورنہ اگر وہ بعض چیزوں میں بہتر ہوں بعض میں نہ ہوں تو وہ علی الاطلاق بہترین زمانہ والے نہ کہلائے جاتے۔

5 صحیح مسلم کی روایت میں ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "ہمیں نبی ﷺ نے مغرب کی نماز پڑھائی، پھر ہم نے کہا کیوں نہ ہم بیٹھ جائیں اور عشاء بھی آپ ﷺ کے ساتھ پڑھ کر پھر واپس جائیں، تو نبی ﷺ (گھر سے) باہر تشریف لائے اور فرمایا: "تم لوگ ابھی تک یہاں موجود ہو؟"، ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ، ہم نے آپ ﷺ کے ساتھ مغرب کی نماز ادا کرنے کے بعد آپس میں کہا کہ ہم بیٹھ جاتے ہیں (انتظار کرتے ہیں) اور عشاء بھی آپ ﷺ کے ساتھ ہی ادا کر لیتے ہیں"، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "تم نے اچھا کیا" یا فرمایا: "تم نے ٹھیک کیا"، پھر آپ ﷺ نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا، اور آپ ﷺ بڑی کثرت کے ساتھ اپنا سر مبارک آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا: "ستارے آسمان کے لئے امن کی علامت ہیں، جب ستارے ختم ہو جائیں گے تو آسمان پر وہ (تباہی آئے گی) جس کا اس سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میں اپنے صحابہ کے لئے امن کی علامت ہوں، جب میں چلا جاؤں گا تو میرے صحابہ پر وہ (آزمائشیں) آئیں گی جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، اور میرے صحابہ میری امت کے لئے امن کی علامت ہیں، جب میرے صحابہ چلے جائیں گے تو میری امت پر وہ (فتنے) آئیں گے جن کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے"۔[2]

اس حدیث سے درج بالا اصول پر استدلال اس طرح ہے کہ نبی ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت امت کی طرف اسی طرح کی ہے جس طرح اپنی نسبت صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف کی ہے، اور اس تشبیہ سے ایک بات واضح ہو رہی ہے کہ امت کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسی رہنمائی حاصل کرنا واجب ہے جیسی رہنمائی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی ﷺ سے حاصل کیا کرتے تھے، اور جیسی رہنمائی زمین والے، ستاروں سے حاصل کرتے ہیں، اور اسی طرح نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو امت کے لئے شر اور اسباب شر سے محفوظ رہنے کی علامت قرار دیا ہے، لہٰذا اگر ایسا ممکن ہوتا کہ صحابہ کرام سے کوئی خیر کا عمل رہ جاتا اور بعد والے اس خیر کو پانے میں کامیاب رہتے تو پھر صحابہ کرام کی جگہ ان لوگوں کو امت کے لئے امن اور حفاظت کی علامت قرار دیا جاتا، اور یہ محال و ناممکن ہے۔

---

① صحیح مسلم (کتاب فضائل الصحابۃ:2533)

② صحیح مسلم (کتاب الفضائل:2531)

7 جامع ترمذی میں عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک حدیث ہے، اس حدیث میں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ۔۔۔۔" اور تم میری سنت اور میرے بعد آنے والے خلفاء راشدین کی سنت کو لازم پکڑو، اسے مضبوطی سے تھام لو اور اس پر جمے رہو، اور نئے نئے معاملات سے بچو۔۔۔"۔

اس حدیث سے مذکورہ اصول پر استدلال یوں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت اور اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کی سنت کو یکجا فرما دیا اور ان کی سنت کی اتباع کا بھی اسی طرح حکم دیا جس طرح اپنی سنت کی اتباع کا حکم دیا، اور اس معاملہ میں اس قدر مبالغہ فرمایا کہ اسے اپنی ڈاڑھ کے ساتھ مضبوطی سے پکڑنے [1] کا حکم دیا۔

8 مسند ابوداود الطیالسی کی روایت ہے، فرماتے ہیں ہمیں مسعودی نے حدیث بیان کی، وہ عاصم سے، وہ ابووائل سے، وہ ابومسعود سے روایت کرتے ہیں کہ ابومسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " بے شک اللہ عزوجل نے بندوں کے دلوں کی طرف دیکھا تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سب سے نیک پایا، تو انہیں اپنی رسالت دے کر مبعوث فرمایا، اور اللہ زیادہ علم رکھتا ہے کہ اپنی رسالت کسے عطا فرمائے، پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے بعد اللہ عزوجل نے دوبارہ بندوں کے دلوں کو ٹٹولا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے دلوں کو تمام بندوں میں سب سے نیک پایا تو انہیں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور اپنے دین کی نصرت کے لئے منتخب فرمایا"۔ [2]

اس اثر سے مذکورہ اصول پر استدلال اس طرح ہے کہ یہ بات ناممکن ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے نیک دل والے افراد حق کو نہ پاسکیں اور حق ان کے علاوہ کسی اور کو نصیب ہو جائے۔

9 ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " جو شخص کسی کی سیرت اپنانا اور اس کے نقش قدم پر چلنا چاہے تو اسے چاہئے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے نقش قدم پر چلے، کیونکہ وہ اس امت میں سب سے نیک دل، سب سے زیادہ صاحب علم، سب سے کم تکلفات میں پڑنے والے، سب سے زیادہ ہدایت پر چلنے والے، سب سے زیادہ پاکیزہ حال والے تھے، وہ ایسے لوگ تھے جنہیں اللہ عزوجل نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لئے اور اپنے دین کے غلبہ کے لئے منتخب فرمایا تھا، تم ان کے فضل کو پہچانو اور اس کا اعتراف کرو، اور ان کے آثار کی اتباع کرو، کیونکہ یہی لوگ سیدھی راہ ہدایت پر تھے"۔ [3]

---

[1] ڈاڑھ کے ساتھ مضبوطی سے پکڑنا در اصل ایک ضرب المثل ہے جو کہ عرب کے ہاں معروف ہے، اس کی وضاحت یوں ہے کہ جیسے سمندر میں ڈوبتے کسی شخص کی جانب رسی پھینکی جائے جو تو وہ جان بچانے کی خاطر انتہائی قوت سے اس رسی کو تھام لیتا ہے اور اسے اپنی کمر کے ساتھ باندھنے کے ساتھ ساتھ اس کے سرے کو اپنی ڈاڑھ میں پکڑ لیتا ہے تا کہ رسی اس سے چھوٹنے نہ پائے، تو گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت کو اس رسی کے ساتھ تعبیر فرماتے ہوئے اسے مضبوطی کے ساتھ تھامنے کا حکم دیا ہے۔

[2] مسند ابوداود الطیالسی (33)، مسند احمد (1/379)

[3] التمہید لابن عبدالبر (2/97)

اس اثر سے مذکورہ اصول پر استدلال اس طرح ہے کہ یہ ناممکن ہے کہ اللہ ﷻ اس امت میں سب سے نیک دل، سب سے زیادہ صاحب علم، سب سے کم تکلفات میں پڑنے والے، سب سے زیادہ ہدایت پر چلنے والے، سب سے زیادہ پاکیزہ حال والے افراد کو درست احکامات سے محروم رکھے اور ان کے بعد والوں کو اس کی توفیق دیدے۔

عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "بے شک لوگوں نے جب بھی کوئی بدعت اختیار کی ہے تو اس بدعت کا وہ حشر ہوا جو اس کے برخلاف دلیل اور عبرت ونصیحت ہے، اور سنت کی اتباع وہی شخص کرتا ہے جو یہ بات جانتا ہو کہ سنت کے برخلاف چلنا سراسر غلطی، حماقت اور جہالت ہے، لہذا اپنے لئے اس معاملہ پر رضامند ہو جاؤ جس پر وہ (صحابہ کی) جماعت راضی ہوگئی۔ اور اسی طرح آپ رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "جہاں پر صحابہ کرام نے توقف اختیار کیا وہاں تم بھی توقف اختیار کرو، اور جیسے انہوں نے کہا ویسا ہی تم کہو، اور جس معاملہ پر وہ خاموش ہوگئے تم بھی اس معاملہ پر خاموشی اختیار کرو، کیونکہ انہوں نے محض علم کی بنیاد پر توقف اختیار کیا ہے، اور اپنی اعلیٰ بصیرت کی بنیاد پر رکے رہے، اور وہ اس (اللہ ﷻ کی عالی صفات اور اسماء حسنی کے) معاملہ کی چھان پھٹک کرکے اس کے اسرار کھولنے پر (تم سے) زیادہ قدرت رکھتے تھے، اور اگر اس معاملہ (میں بحث کرنے اور چھان پھٹک کرنے) میں کوئی فضیلت ہوتی تو وہ اس کے (تم سے) زیادہ حقدار تھے، اور اگر آج ان بدعتی معاملات کو اختیار کرکے تم ہدایت پر ہوتے تو وہ اس ہدایت پر تم سے کہیں پہلے سبقت لے جاچکے ہوتے، اور اگر تم کہو کہ یہ معاملات تو ان کے بعد ظاہر ہوئے ہیں، تو ان بدعات کو ایجاد کرنے والا وہی ہوسکتا ہے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے کو چھوڑ کر غیروں کے راستہ پر چلے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بے رغبتی اختیار کرے، جبکہ حقیقت یہی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ہی ہر نیکی اور ہدایت میں سبقت لے جانے والی ہے"۔

اور ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اگر مجھے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہ بات پہنچتی کہ انہوں نے ناخن سے آگے وضو نہیں کیا تو میں بھی ناخن سے بڑھ کر وضو نہ کرتا، اور کسی قوم کے گناہ گار ہونے کے لئے یہ بات کافی ہے کہ ان کے اعمال نبی ﷺ کے اعمال کے برخلاف ہوں"۔[1]

---

[1] اللالکائی، شرح اصول اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ

"توحید حاکمیت" کے نام پر بہت سے داعیان اسلام کا توحید کے حقیقی معنی ومفہوم سے انحراف

(فصل) عصر حاضر کے بہت سے داعیان اسلام کا ایک ایسے انتہائی اہم ترین معاملہ میں سلف صالحین کی فہم کے برخلاف چلنا جس کے لئے اللہ ﷻ نے اپنے بندوں کو پیدا فرمایا ہے اور وہ معاملہ ہے "توحید باری تعالیٰ":

ان داعیان اسلام میں سے اکثریت کو ہم نے دیکھا ہے وہ اس بات کے قائل ہیں کہ حقیقی توحید صرف اور صرف توحید حاکمیت ہے، یعنی حدود، معاملات اور معاہدوں وغیرہ میں شریعت کا نفاذ کرنا[1]، یعنی شریعت اور عصر حاضر کی سیاست انکے

---

[1] سلف صالحین کے ہاں توحید کی تین اقسام ہیں: (ا) توحید ربوبیت۔ یعنی اللہ ﷻ کے افعال میں اللہ تعالیٰ کو یکتا وتنہا تسلیم کرنا، یہ عقیدہ رکھنا کہ تخلیق کرنا، رزق دینا، موت دینا، زندہ کرنا، مصیبتوں کو دور کرنا، بیماری اور شفاء یہ سب اللہ ﷻ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ (۲) توحید الوہیت۔ اس قسم کو علماء نے توحید عبادت کا بھی نام دیا ہے، یعنی عبادت صرف اللہ ﷻ کے لئے خاص کرنا۔ نماز روزہ قربانی، نذر و نیاز، دعا و دیگر اعمالِ عبادت کو صرف اور صرف اللہ ﷻ کے لئے انجام دینا۔ (۳) توحید اسماء وصفات۔ یعنی قرآن وحدیث میں اللہ ﷻ کے لئے ذکر کردہ تمام اسماء حسنیٰ و پاکیزہ صفات کا اثبات کرنا اور ان اسماء وصفات میں کسی مخلوق کو اللہ ﷻ کا شریک نہ کرنا۔ توحید حاکمیت کی اصطلاح جدید ہے اور اس کا سلف صالحین کے ہاں وجود نہیں ہے، یہ اصطلاح سب سے پہلے مولانا مودودی نے اپنی کتابوں میں ذکر کی اور پھر اس اصطلاح کو سید قطب نے اپنی کتابوں میں ذکر کیا جس کے بعد یہ اصطلاح معروف ہوگئی، مودودی صاحب نے چونکہ اردو میں اس اصطلاح کو متعارف کرایا تھا اس لئے عربی قواعد کی کتابوں میں اس لفظ کا کوئی تذکرہ نہیں ملتا ہے۔ بہرحال توحید حاکمیت کا بنیادی تصور یہ ہے کہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، قوانین اسی کے تجویز کردہ ہیں، انسان پر یہ واجب ہے کہ وہ ان قوانین الٰہیہ کی پابندی کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ (الانعام: 57) ترجمہ: حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے" ایک اور مقام پر فرمان الٰہی ہے: ﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ (الاعراف: 54)، ترجمہ: "دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا ہے"۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے قوانین سے ہٹ کر کسی اور قانون کو وضع کرتا ہے یا اس پر عمل پیرا ہوتا ہے تو وہ حاکمیت میں غیر اللہ کو اللہ کا شریک بناتا ہے، جیسا کہ پارلیمنٹ میں شریعت کے برخلاف قوانین کی طرحداری وتشکیل یا عدالتوں میں ایسے قوانین کا نفاذ جو برطانیہ یا فرانس یا کسی اور غیر اسلامی نظام سے درآمد شدہ ہوں یہ توحید حاکمیت سے متصادم ہے۔ اب توحید حاکمیت کے قائلین کی نظر میں جن افراد کی توحید حاکمیت میں نقص ہے یا وہ کسی غیر اسلامی نظام پر عمل پیرا ہیں تو درحقیقت وہ اسلام کی بنیاد سے متصادم ہونے کی بناء پر دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سید قطب نے ایسے تمام اسلامی ممالک جن میں نظام جمہوریت یا غیر اسلامی قوانین نافذ تھے ان میں رہنے والے تمام افراد پر توحید حاکمیت میں خلل ہونے کی بنیاد پر انہیں مشرک قرار دیتے ہوئے تکفیر کا فتویٰ لگایا اور نئے سرے سے اسلامی معاشرہ کی تشکیل پر زور دیا۔

توحید حاکمیت کے اس تصور کے حوالہ سے چند ضروری باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں:

توحید حاکمیت کے بنیادی تصور کا کوئی مسلمان انکار نہیں کرسکتا، بلکہ ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو تنہا حاکم تسلیم کرے اور شرعی قوانین پر عمل پیرا ہو، اور غیر اسلامی قوانین جنہیں علماء نے طاغوت قرار دیا ہے ان سے مکمل اجتناب کرے۔ لیکن معاملہ یہ ہے کہ توحید حاکمیت کا یہ تصور توحید الوہیت اور توحید ربوبیت میں موجود ہے، وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا حکم دو قسم کا ہے: (ا) حکم کونی: یعنی پیدا کرنا، مارنا، رزق دینا، شفا دینا، مصائب میں مبتلا کرنا، پریشانیوں سے نجات دینا، یہ تمام فیصلے اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہیں، اور ان معاملات میں اختیار صرف اللہ تعالیٰ ہی کا ہے، اور اسی کا اقرار کرنا توحید ربوبیت ہے۔ (۲) حکم شرعی: یعنی اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کردیا دن میں پانچ وقت نماز ادا کرنی ہے، رمضان کے روزے رکھنے ہیں، سود حرام ہے، تجارت حلال ہے، شراب حرام ہے، زانی کو سو کوڑے مارے جائیں گے، شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے گا، چور کا ہاتھ کاٹا جائے گا، یہ تمام فیصلے اللہ تعالیٰ کے ہیں، اور ان پر ایک مسلمان کو سر تسلیم خم کرنا ہے، اور اسی تسلیم اور رضا کو عبادت کہتے ہیں، اور ان تمام امور کو خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے بجالانا ہی دراصل توحید الوہیت ہے۔ (بقیہ اگلے صفحے پر۔۔۔

نزدیک ایک ہی سکہ کے دو رخ ہیں، اور ان کے نزدیک شرک محض سیاسی شرک ہے۔

اور یقیناً یہ اس نظریہ توحید کے معنی ومفہوم میں تحریف ہے جس توحید کا حکم اللہ ﷻ نے اپنے بندوں کو دیا ہے، اور اس شرک کے معنی میں بھی تحریف ہے جس شرک سے اس نے اپنے بندوں کو باز رہنے کی تلقین کی ہے، اور توحید اور شرک کا جو معنی یہ لوگ کرتے ہیں اس کا بے شمار دلائل سے رد کیا جاسکتا ہے جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1 دعوت دین کا طریقہ ومنہج واضح اور ثابت ہے اور کبھی اس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی، کیونکہ اللہ کی جانب بلانا دراصل عبادت ہے، اور عبادت میں کتاب وسنت اور خلفاء راشدین کے طریقہ کی اتباع لازم ہے، چاہے زمانہ کتنا ہی دور کا ہو اور کتنا ہی بدل کیوں نہ گیا ہو۔

(بقیہ حصہ)(۱) تو سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ معنی توحید الوہیت اور توحید ربوبیت میں موجود ہے تو الگ سے اس کے لئے قسم بنانے کی کیا ضرورت ہے؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ محض غیر اسلامی نظام کی مخالفت کے سہارے باقی توحید وشرک کے تمام معاملات کو پس پشت ڈالنا ہو؟ یا پھر توحید حاکمیت کا نعرہ لگا کر حکمران وقت کو کافر قرار دے کر اپنے لئے حکومت تک پہنچنے کی راہ ہموار کرنا مقصود ہو؟ یہ سوال اس وقت مزید شدت اختیار کر جاتا ہے جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ توحید حاکمیت کا نعرہ بلند کرنے والی جماعتیں ایسے افراد کو تو ہم جماعت کر لیتی ہیں جو قبر پرست ہوں، جنہیں نہ توحید الوہیت اور نہ توحید ربوبیت کا پاس ہو، ایسے افراد سے ان جماعتوں کو کوئی اختلاف نہیں ہوتا، البتہ ان کا پورا زور صرف حکمرانوں کی مخالفت اور احتجاجات اور مظاہرات پر ہوتا ہے، ان کی نظر میں عبادت کا شرک کوئی بڑا گناہ نہیں بلکہ اصل گناہ سیاسی شرک ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "حاکمیت تو، توحید الوہیت میں شامل ہے اور عصر حاضر میں جو افراد توحید حاکمیت کی اس جدید اصطلاح کے بارے میں بڑبڑاتے رہتے ہیں وہ دراصل اس اصطلاح کو ایک سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہتے ہیں، ان کا مقصد مسلمانوں کو اس توحید سے آگاہ کرنا نہیں ہوتا جو توحید تمام انبیاء اور رسول لے کر آئے۔۔۔" مزید فرماتے ہیں: "لفظ حاکمیت کا استعمال اس سیاسی دعوت کی تکمیل کے لئے ہے جو سیاسی دعوت آج کل کی کچھ جماعتوں کا خاصہ ہے۔۔۔ اور وہ دعوت جس کی جانب ہم لوگوں کو بلاتے ہیں اس میں حاکمیت بھی ہے اور اس کے علاوہ بھی مکمل توحید موجود ہے، (یعنی) توحید الوہیت اور ربوبیت میں حاکمیت کے تعلق سے وہ تمام عناصر موجود ہیں جن کا تم واویلا مچاتے ہو"۔ (جریدہ المسلمون: عدد 639)۔

شیخ عثیمین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جو شخص اس بات کا دعوی کرتا ہے کہ توحید کی چوتھی قسم ہے جس کا نام توحید حاکمیت ہے تو وہ بدعتی ہے، اور یہ تقسیم ایک ایسے بدعتی کی اختراع ہے جسے دین اور عقیدہ کا فہم نہیں ہے، اس لئے کہ توحید حاکمیت اس لحاظ سے توحید ربوبیت میں داخل ہے کہ اللہ تعالی جو چاہتا ہے وہ فیصلہ فرماتا ہے، اور توحید الوہیت میں اس لحاظ سے داخل ہے کہ انسان پر واجب ہے کہ وہ اللہ تعالی کے احکامات پر عمل پیرا ہو کر اللہ تعالی کی عبادت کرے، لہذا توحید حاکمیت، توحید کی تین قسموں سے باہر نہیں ہے"۔ (جریدہ المسلمون: عدد 639)

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ جو افراد اور جماعتیں توحید حاکمیت کا نعرہ لگاتی ہیں ان کے نزدیک توحید الوہیت اور ربوبیت کی کوئی اہمیت نہیں، بلکہ اصل اہمیت یہ ہے کہ قوانین میں، حدود میں، آئین میں شریعت کا نفاذ ہو، جہاں تک عقائد کا تعلق ہے، مزارات اور قبر پرستی کی بات ہے تو ان کے نزدیک یہ معمولی باتیں ہیں جن پر مسلمانوں کو اختلاف نہیں کرنا چاہئے!!، یعنی اصل توحید بھی سیاسی ہے اور شرک بھی سیاسی ہے، اور پورا قرآن صرف اسی توحید کو بیان کرنے کے لئے نازل ہوا ہے۔ شیخ عبیلان رحمہ اللہ نے توحید کے اسی غلط معنی پر تقریباً ۱۴ پہلوؤں سے رد فرمایا ہے، جس کی تفصیل آئندہ صفحات میں آرہی ہے۔

اگلی چند سطور میں شیخ عبیلان رحمہ اللہ ان کے اسی نظریہ کا رد کر کے یہ بیان فرما رہے ہیں کہ اصل توحید، توحید الوہیت اور توحید ربوبیت ہے، اور اس کے قرآن وحدیث میں بے شمار دلائل ہیں۔ (از مترجم)

2 اللہ ﷻ نے قرآن مجید میں نوح علیہ السلام سے محمد ﷺ تک آنے والے انبیاء میں سے بعض کے واقعات ہمیں بتائے ہیں، تو جن اقوام کی جانب یہ رسول بھیجے گئے وہ مختلف جگہوں، مختلف زمانوں اور تہذیبوں سے تعلق رکھتی تھیں، اس کے باوجود بھی رسالت کی اساس اور بنیاد کبھی نہیں بدلی، اور کبھی بھی بلکہ ایک مرتبہ بھی دعوت الی اللہ کے نقطہ آغاز میں تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

3 تمام رسالتیں اور تمام رسولوں کی دعوت کی ابتداء اللہ ﷻ کو عبادت میں یکتا ماننے اور اس کے علاوہ تمام معبودان باطلہ کی نفی سے ہوتی ہے، اور یہی کلمہ لا الہ الا اللہ کا معنی اور مقصد ہے۔ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء:25) ترجمہ: "اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو"۔ اور اسی طرح اللہ ﷻ نے تفصیل کے ساتھ نوح علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام اور شعیب علیہ السلام میں سے ہر ایک کے بارے میں ذکر کیا کہ انہوں نے اپنی اپنی قوموں سے یہی بات کہی کہ: ﴿اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ﴾ (الاعراف:65) ترجمہ: "تم اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی تمہارا معبود نہیں"، اور مشرکین نے بھی رسالت کا مقصد توحید عبادت ہی کو سمجھا تھا، جیسا کہ اللہ ﷻ نے قوم عاد کی یہ بات نقل فرمائی کہ: ﴿أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ آبَاؤُنَا﴾ (الاعراف:70)، ترجمہ: "کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ ہم ایک ہی اللہ کی عبادت کریں اور جنہیں ہمارے آباؤ اجداد پوجتے رہے انہیں چھوڑ دیں؟"، اور کفار مکہ نے بھی یہی کہا کہ: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلٰهًا وَّاحِدًا﴾ (ص:5)، ترجمہ: "کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا!"، اور اللہ ﷻ نے واضح فرما دیا ہے کہ توحید ہی اس امت کے لئے اللہ ﷻ کی مقرر کردہ شریعت ہے، اور یہی وہ شریعت ہے جس کی تلقین اللہ ﷻ نے نوح علیہ السلام، محمد ﷺ، ابراہیم علیہ السلام، موسی علیہ السلام اور عیسی علیہ السلام کو فرمائی تھی، اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ ۭ اَللّٰهُ يَجْتَبِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ يُّنِيْبُ﴾ (الشوری:13)، ترجمہ: "اس نے تمہارے لئے دین کا وہی طریقہ مقرر کیا جس کا نوح کو حکم دیا تھا اور جو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا ہے اور جس کا ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو حکم دیا تھا کہ دین کو قائم رکھو اور اس میں تفرقہ نہ ڈالنا"۔ اور امت محمدیہ ﷺ کا توحید کی دعوت دینے میں جو مظہر اتحاد ہے اس کے متعلق فرمایا: ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ (البقرۃ:136)، ترجمہ: "(مسلمانو!) کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو (کتاب) ہم پر اتری اس پر اور جو

(صحیفے) ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر نازل ہوئے ان پر اور جو (کتابیں) موسیٰ اور عیسیٰ کو عطا ہوئیں ان پر اور جو اور پیغمبروں کو ان کے پروردگار کی طرف سے ملیں ان پر (سب پر ایمان لائے) ہم ان پیغمبروں میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے اور ہم اسی (الہ واحد) کے فرمانبردار ہیں"۔

4 تمام انبیاء کی دعوت توحید میں یکساں ہے البتہ فرعی مسائل تمام امتوں کے مختلف ہیں، اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

﴿لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا﴾ (المائدۃ:48)، ترجمہ: "تم میں سے ہر امت کے لئے ہم نے ایک شریعت اور ایک راہ عمل مقرر کی ہے"۔ اور نبی ﷺ نے فرمایا: "ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں [1]، اور ہمارا دین ایک ہے" [2]، لہذا یہ ممکن ہے کہ کسی نبی کی شریعت میں وہ عمل جائز ہو جو کسی اور نبی کی شریعت میں ناجائز ہو، لہذا توحید کو توحید حاکمیت سے تعبیر کرنا درست نہیں ہوگا۔ [3]

5 بے شک اللہ ﷻ بندوں کا خالق ہے، ان کے احوال کا خوب علم رکھنے والا ہے، اور ہر حال و کیفیت میں بندوں کے لئے جو معاملہ بہتر ہو اس کی خبر بھی اللہ ﷻ ہی کو ہے، اور اسی نے اپنے تمام رسولوں اور ان کی قوموں کے لئے اس منہج دعوت کو اختیار فرمایا ہے، لہذا کسی شخص کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اپنے لئے یا کسی اور کے لئے اللہ ﷻ کے بتائے گئے منہج و طریقہ کو چھوڑ کر اپنی مرضی سے رہنمائی و اصلاح کا کوئی اور طریقہ کار اختیار کر لے۔

ہمارے لئے کسی بھی طرح یہ جائز نہیں کہ ہم بے جان اور بھونڈی دلیلوں کو بنیاد بنا کر اللہ ﷻ، اس کے رسول ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے سے الگ ہو جانے کو جائز قرار دیں محض اس بنیاد پر کہ "آج حالات بدل چکے ہیں"، یا "لوگ ایک ہی بات کی تکرار سے بیزار ہو چکے ہیں"، یا "عصر حاضر کے مسائل سے نبرد آزما ہونے کے لئے دعوت دین کے انداز

---

[1] یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے، علاتی بھائی وہ ہوتے ہیں جن کا باپ ایک ہو مائیں الگ الگ ہوں، یعنی جو باپ کی طرف سے سگے ہوں، یہاں پر نبی ﷺ کی مراد یہ ہے کہ انبیاء کی شریعتیں اور احکامات ان کے زمانے اور اقوام کے حالات کے لحاظ سے الگ الگ ہوتے ہیں، لیکن بنیادی طور پر سب کی دعوت ایک ہی ہوتی ہے اور وہ اللہ تعالی کو وحدہ لاشریک لہ تسلیم کرنے کی دعوت ہے۔ (مترجم)

[2] صحیح بخاری (کتاب احادیث الانبیاء:3442)

[3] کیونکہ توحید تمام انبیاء کے دور میں ایک ہی رہی ہے اب اگر شریعت کے نفاذ کو توحید حاکمیت سے تعبیر کریں گے تو درج بالا آیت اور حدیث سے یہ واضح ہو رہا ہے کہ ہر نبی کی شریعت یکساں نہیں رہی بلکہ ان میں فرق آتا رہا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید میں فرق آتا رہا ہے جبکہ حدیث سے واضح ہے کہ توحید ہمیشہ ایک ہی رہی ہے۔
اس کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ توحید کی دعوت تمام انبیاء نے اپنی اپنی قوم کو دی ہے، جبکہ صرف چند ہی انبیاء ایسے ہیں جنہیں اللہ ﷻ نے دنیا میں حکومت اور قوت دی کہ وہ شریعت الہی کو بزور طاقت نافذ کر سکیں، اگر ہم توحید کا معنی صرف حاکمیت ہی کریں یا توحید حاکمیت کو توحید کا لازمی جز قرار دیں تو اس کا منطقی مفہوم یہ ہوگا کہ صرف چند ہی انبیاء نے توحید کی صحیح دعوت دی باقی تمام انبیاء کی توحید کی دعوت ناقص تھی اور یہ بات ناممکن و محال ہے۔ لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ توحید کا معنی صرف توحید حاکمیت کرنا، یا توحید حاکمیت کو توحید کا لازمی جز قرار دینا درست نہیں، بلکہ توحید دراصل توحید عبادت ہے۔ (مترجم)

میں تبدیلی حکمت کا تقاضا ہے"[1] یا" ہماری دعوت تو مسلمانوں کو ہے مشرکوں کو نہیں ہے"، ہم یہ باتیں کہنے والے کے متعلق اچھا گمان رکھتے ہیں کہ اس بیچارے کا علم ہی اتنا ہے لیکن درحقیقت یہ تمام باتیں اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے راستے سے انحراف پر مبنی ہیں، جبکہ نوح علیہ السلام اور نبی ﷺ کے درمیان (زمانہ کی دوری کے سبب) حالات میں جو تبدیلی ہوئی اس کی وجہ سے نبی ﷺ اور ان سے پہلے کے انبیاء کی رسالتوں کے اصول ومبادی میں کسی قسم کا ردوبدل واقع نہیں ہوا، اور منہجِ دعوت میں تبدیلی کرنے کے لئے موجودہ زمانہ کے مسائل کو بنیاد بنانے کا جو شبہ ہے وہ بھی بالکل باطل اور بلا جواز ہے، کیونکہ نہ صرف آج کے زمانہ میں بلکہ تمام زمانوں میں اہم ترین مسئلہ وہی ہے جس کے لئے اللہ ﷻ نے انسانوں اور جنات کو پیدا فرمایا ہے اور وہ ہے اللہ ﷻ کی خالص عبادت، اور اس یقینی مستقبل کی تیاری جس میں کوئی شک نہیں ہے، یعنی موت، قبر کے سوالات، حساب وکتاب، اور پھر جزا وسزا۔

6 جس شخص نے دعوت الی اللہ کی ذمہ داری اٹھائی ہو اس کے لئے یہ لائق نہیں ہے کہ وہ یہ گمان کرے کہ نیکوکار مسلمانوں کو توحید عبادت کی جانب دعوت دینے اور شرک سے ڈراتے رہنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ نبی ﷺ کی حیات طیبہ کا اختتام اسی دعوت پر ہوا جس سے آپ ﷺ کی بعثت کا آغاز ہوا تھا، صحیح بخاری ومسلم میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی وفات کا وقت آیا تو آپ ﷺ اپنی چادر کو اپنے چہرہ مبارک پر ڈالتے اور جب کچھ افاقہ ہوتا تو چادر ہٹا لیتے اور آپ ﷺ فرما رہے تھے: "اللہ ﷻ کی لعنت ہو یہود ونصاریٰ پر کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا"، یعنی آپ ﷺ (مرض وفات میں بھی) ان کے اس شرکیہ عمل سے بچنے کی تلقین فرما رہے تھے۔[2]

یہ نبی کریم ﷺ کی اپنے اہل بیت، خلفاء اور اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو آخری نصیحت تھی، اور یہ تمام ہستیاں مسلمانوں کے لئے تا قیامت بہترین نمونہ ہیں۔

7 کسی مسلمان کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ مسلمانوں کے درمیان روز بروز شرک کے بڑھتے ہوئے پھیلاؤ کے متعلق یہ بہانے تراشتا رہے کہ" یہ عمل کرنے والوں کی نیت اچھی ہے"، یا" وہ تو یہ عمل کر کے اللہ ﷻ کا قرب حاصل کرنا چاہتے ہیں"، یا" وہ بیچارے لاعلم ہیں"۔ کیونکہ اللہ ﷻ نے گزشتہ مشرکین کے انہی اوصاف پر ان کی مذمت کی تھی، اللہ ﷻ کا فرمان ہے:

---

[1] ہمارے معاشرے میں بھی بہت سے داعیان اسلام ایسے ہیں جو خود اگرچہ توحید پر کاربند ہیں، مسائل توحید وشرک سے آگاہ ہیں لیکن میدان دعوت میں توحید کی دعوت دینے سے ہچکچاتے ہیں اور اسی قسم کی بودی دلیلوں کا سہارا لے کر خود ساختہ حکمتوں اور مصلحتوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اور پھر نہ صرف یہ کہ دعوت بلکہ انداز دعوت میں بھی تبدیلی کے خواہاں ہوتے ہیں۔ (مترجم)

[2] صحیح بخاری (کتاب الصلاۃ، ابواب المساجد: 425)، صحیح مسلم (کتاب المساجد: 531)

﴿إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الاعراف: 30)، ترجمہ: " کیونکہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا سرپرست بنالیا تھا پھر وہ یہ بھی سمجھ رہے ہیں کہ وہی سیدھی راہ پر ہیں" ، اور فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ مَا نَعْبُدُهُمْ إِلَّا لِيُقَرِّبُونَا إِلَى اللَّهِ زُلْفَىٰ﴾ (الزمر: 3)، ترجمہ: اور جن لوگوں نے اللہ کے علاوہ کارساز بنار کھے ہیں (وہ کہتے ہیں کہ) ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اللہ سے قریب کردیں"، اور فرمایا:

﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ (الکهف: 103، 104)

ترجمہ: " آپ ان سے کہیے: ''کیا ہم تمہیں بتائیں کہ لوگوں میں اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے کون ہیں؟۔ وہ لوگ جن کی سعی دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اچھے کام کر رہے ہیں''۔

دور حاضر میں مسلمانوں کی زندگی اور عبادات میں شرک کے بری طرح سرایت کر جانے کا بہر صورت اعتراف کرنا ہی پڑے گا، اور بہت سے مسلمان اس کا اقرار کرتے ہیں، یا پھر اس کے بارے میں خاموشی اختیار کرتے ہیں، اور ان خاموشی اختیار کرنے والوں میں خطباء اور واعظین کے ساتھ ساتھ ایسے افراد بھی ہیں جنہیں اسلامی مفکر و دانشور قرار دیا جاتا ہے، اور ان کی خاموشی کا سبب یا تو ان کی لاعلمی ہے، یا پھر اہل بدعت کے درمیان اپنی شہرت اور اپنی جماعت کی اہمیت کی کمی کا خوف ہے، کیونکہ آخری زمانوں میں اکثریت بہر حال اہل بدعت ہی کی ہے، اور اللہ کی عبادت اور اس کے قرب اور محبت کے حصول اور انبیاء و اولیاء کی محبت کے حصول کے نام پر بت پرستی مسلمانوں کے درمیان واپس لوٹ آئی ہے، اور شیطان نے اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ مسلمان آسانی سے اس بت پرستی کو قبول کرلیں اس نے ان معبودان باطلہ کا نام بت یا مورتیاں نہیں رکھا، بلکہ ان بتوں کو مقبرہ، آستانہ اور مزار کا نام دیا گیا، اور ان بت پرستی کے اڈوں پر جو خشوع و خضوع نظر آتا ہے وہ شرک سے پاک اللہ کے گھروں یعنی مساجد میں نظر نہیں آتا، اور اسلامی ممالک میں بسنے والے کچھ مسلمان ایسے ہیں جو قبروں کا طواف کرتے ہیں، ان قبروں کے لئے قربانی کرتے ہیں، اور بعض مسلمان آفت زدہ گھروں میں جنات کے نام پر قربانی کرتے ہیں تا کہ انکے شر سے محفوظ رہ سکیں، اور اسی طرح مصائب سے بچنے کے لئے نئے گھر کی سیڑھی پر، اور نئی گاڑی کے سامنے غیر اللہ کے نام پر ذبح کرتے ہیں، اسی طرح شادی کی رات گھر کے دروازے کے سامنے جوتی یا پرانے کپڑے کا ٹکڑا لٹکاتے ہیں، اور گاڑی کے پچھلے حصہ پر ہاتھ یا آنکھ کی شبیہ لٹکاتے ہیں تا کہ حسد اور آنکھ لگنے یا مصائب سے بچا جاسکے اور پیٹ کے بچے کی زندگی کے لئے اللہ ﷻ کا نام لئے بغیر قربانی کرتے ہیں، کچھ لوگ کاہنوں، نجومیوں کے پاس

جاتے ہیں، ان سے سوال کرتے ہیں، اوران کی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں، اوراسی طرح کی اور بہت سی خرافات ہیں جو آج کل کے مسلمانوں میں موجود ہیں، ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

سوال یہ ہے کہ جب ہم نے اپنے دلوں میں، اپنی مساجد میں اوراپنے گھروں میں شرک کو پوری طرح داخل کرلیا ہے تو کیا اسلام سے ہمارا نام نہاد تعلق ہمیں شرک اوراس کے خوفناک انجام سے بچاسکتا ہے؟ اور کیا ہم صرف اسلام کا ظاہری لبادہ اوڑھ کر محض اپنی خواہشات کے بل بوتے پر ایمان حاصل کرسکتے ہیں؟۔

9 نبی ﷺ نے عیسائیوں کو جودعوت دی ذرااس کی جانب دیکھئے، نبی ﷺ کے دور میں تمام عیسائی یا اکثر عیسائی رومی سلطنت کے زیر اثر تھے، اور یہی وہ سلطنت ہے جس کے وضع کردہ قوانین دور جدید کے ایسے قوانین کی بنیاد ہیں جو شریعت سے متصادم ہیں، اس کے باوجود بھی قرآن نے عیسائیوں سے جو مباحثہ کیا ہے وہ ان کے عیسی علیہ السلام کے بارے میں عقیدہ سے متعلق ہے، اورابتداء میں ہی ان کے "سیاسی شرک" سے متعلق بات نہیں کی، جبکہ ان کا معاملہ یہ تھا کہ (وہ کہتے تھے) "جو اللہ کا ہے وہ اللہ کے لئے چھوڑ دو، اور جو قیصر (بادشاہ روم) کا ہے وہ قیصر کے لئے رہنے دو"، اوردراصل یہی سوچ دین کو سیاست سے الگ کرنے کی جڑ اور بنیاد ہے۔

10 اگر آپ اس مسئلہ میں سلف صالحین کے احوال کا جائزہ لیں تو آپ اسے ہمارے ذکر کردہ طریقہ کے عین مطابق پائیں گے، کیونکہ سلف صالحین بھی دعوت توحید کا نہایت اہتمام کرتے تھے، اوران کی دعوت کی ابتداء ہمیشہ توحید کی دعوت ہی سے ہوا کرتی تھی۔

توپھر آخر کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ:" عقیدہ کی اصلاح کے بغیر لوگوں کی اکثریت کو یکجا کرنا اسلامی عمل ہے؟، اللہ کی قسم یہ بات تو صرف لبرل جماعتیں ہی کہہ سکتی ہیں (اسلامی جماعتیں نہیں)، اور اگر (یہ بات کہنے والا لبرل جماعت کا نہیں ہے اور) وہ اس کا شکار ہوچکا ہے تو اسے چاہئے کہ امت محمد ﷺ کے بارے میں اللہ سے ڈرجائے، اور محض ایک انسانی تصور سیاست کی بنیاد پرانہیں دین الہی سے گمراہ نہ کرے، اور نبی ﷺ اوران کے جلیل القدر صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستہ پر چلنے سے ان کو نہ روکے۔

11 گزشتہ کئی صدیوں سے عالم اسلام میں اس فساد کی پختگی کا سب سے اہم سبب کلمہ توحید اور دین حق کے اصولی قاعدہ یعنی کلمہ "لا الہ الا اللہ" کے معنی ومفہوم سے لاعلمی ہے۔ مسلمانوں کی اکثریت کا خیال ہے کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ" اول تا آخر صرف اور صرف توحید ربوبیت سے متعلق ہے یعنی خلق ورزق، زندگی وموت، نفع اور نقصان میں اللہ ﷻ کی وحدانیت کا

اقرار ہے، جبکہ اگر ایسا درست ہوتا تو قریش کے مشرکین کبھی بھی اس کا انکار نہ کرتے، لیکن انہوں نے (اس کا انکار کیا[1] اور) کہا کہ: ﴿أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَٰهًا وَاحِدًا﴾ (ص: 5)، ترجمہ: "کیا اس نے سب معبودوں کو ایک ہی معبود بنا رکھا ہے؟"۔

12 (عصر حاضر کے) مسلمانوں کے اکثر (سطحی قسم کے) دانشور حضرات کا یہ خیال ہے کہ کلمہ توحید کا سب سے پہلا تقاضا اور مفہوم توحید حاکمیت یعنی اللہ ﷻ کو حکم میں یکتا و تنہا تسلیم کرنا ہے،[2] جبکہ اگر یہ درست ہوتا تو کفار کبھی بھی کلمہ توحید کا انکار نہ کرتے، بلکہ یہ تو ان کے لئے زیادہ آسان اور ہلکا تھا کہ وہ مال اور بادشاہت نبی ﷺ کے سپرد کرتے اور اس کے بدلہ میں نبی ﷺ کلمہ توحید کے حقیقی معنی یعنی توحید عبادت سے دستبرداری اختیار کر لیتے، نہ تو آپ ﷺ مشرکین سے کوئی جھگڑا مول لیتے اور نہ ہی مشرکین آپ ﷺ کی راہ میں روڑے اٹکاتے، لیکن جو شخص کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ پر تھوڑا سا بھی تدبر کرے اور نبی ﷺ کی سیرت طیبہ کا مطالعہ کرے تو اس کے لئے اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں بچتی کہ "لا الہ الا اللہ" کا جو معنی یہ دانشور سمجھتے ہیں، حقیقی معنی اس سے کہیں ارفع و اعلی ہے، اور وہ ہے: اللہ ﷻ کی عبادت کرنا اور اس کے علاوہ تمام معبودوں کی عبادت کا انکار کرنا، اور ابو جہل و دیگر مشرکینِ قریش نے اس معنی کو سمجھ لیا تھا اور اسی وجہ سے اس کا انکار کیا تھا، کیونکہ یہ کلمہ ان کے آباؤ اجداد کے اس دین کی بنیاد کو منہدم کر رہا تھا جس میں انہوں نے خالق اور مخلوق کو عبادت میں یکجا کر دیا تھا۔

13 مسئلہ توحید حاکمیت کو اگر اس کے عمومی معنی کے تناظر میں دیکھا جائے تو یہ دینی و دنیاوی دونوں امور کو شامل ہے، نیکی کا حکم دینا، برائی سے روکنا اور اللہ ﷻ کی طرف دعوت دینا ایک عبادت ہے، اور عبادت میں ان دو شروط کا پایا جانا ناگزیر ہے جن کے بغیر کوئی عبادت قبول نہیں ہے، یعنی اللہ ﷻ کے لئے اخلاص، اور نبی ﷺ کی پیروی، لہذا ہر وہ عمل جو نبی ﷺ

---

[1] یعنی مشرکین مکہ توحید ربوبیت کے قائل تھے، وہ مانتے تھے کہ انہیں پیدا کرنے والا، رزق دینے والا، مصائب سے نجات دینے والا، بارش نازل کرنے والا صرف اللہ ﷻ ہی ہے، جیسا کہ خود اللہ ﷻ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر ان کے اقرار کو ذکر فرمایا ہے، لیکن اس کے باوجود بھی وہ مشرک ہی تھے کیوں کہ انہوں نے توحید الوہیت یعنی عبادت میں اللہ کو اکیلا ماننے سے انکار کر دیا تھا، اور اسی لئے وہ کلمہ توحید کے انکاری تھے۔ جبکہ آج کے مشرک کا حال یہ ہے کہ کلمہ توحید بھی پڑھتا ہے اور مشرکین مکہ سے بڑھ کر اللہ ﷻ کے ساتھ شرک بھی کرتا ہے، اور یہ حال کلمہ توحید کے معنی و مفہوم سے عدم واقفیت کی بنا پر ہے۔ (مترجم)

[2] شیخ رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ حکم یقینا صرف اللہ ﷻ ہی کا ہے، اسی کا حکم، قوانین اور شریعت نافذ ہونی چاہئے، جیسا کہ خود اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ﴾ [الأنعام: 57]، ترجمہ: "حکم تو صرف اللہ ہی کا ہے"، لیکن اس مسئلہ میں اس حد تک مبالغہ آمیزی کرنا کہ اسے توحید الوہیت و عبادت سے بھی اہم و مقدم قرار دینا بلکہ کلمہ توحید میں توحید عبادت کا سرے سے ہی انکار کر دینا یقینا توحید اور شرک کے صحیح مفہوم میں صریح تحریف ہے، جس سے نہ صرف نبی ﷺ کی رسالت کا مقصد فوت ہو جاتا ہے بلکہ نبی ﷺ نے مکہ میں دعوت توحید کے لئے جو انتہائی دشوار گزار اور تکالیف سے پُر زندگی گزاری ہے اس کا بھی (معاذ اللہ) کوئی فائدہ نظر نہیں آتا۔ (مترجم)

کے طریقہ کے مطابق نہ ہو باطل ہے، چاہے وہ محض اللہ ﷻ کی رضا کی خاطر ہی کیوں نہ کیا جائے، کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "جس نے ایسا عمل کیا جو ہمارے حکم کے مطابق نہ ہو تو وہ عمل مردود ہے"، اور بہت سے صحابہ کرام سے یہ قول منقول ہے کہ: "سنت کے مطابق عمل کرنا چاہے کم ہی کیوں نہ ہوں بہت سارے بدعتی اعمال کرنے سے بہتر ہے"۔

ہم ان توحید حاکمیت کے شیدائیوں سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اس معاملہ (یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) میں اور اس کے علاوہ دیگر (دینی و دنیاوی) معاملات میں بھی توحید حاکمیت کا نفاذ کریں، کیونکہ غیروں کی نسبت ہم (مسلمان) زیادہ حقدار ہیں کہ اپنے معاملات میں شریعت کو حاکم بنائیں اور یہ بات کسی طرح بھی درست نہیں کہ اوروں کو تو ہم شریعت کے نفاذ کی دعوت دیں اور خود ہم خود ساختہ سیاسی اور فکری نظریات پر چلیں، اور اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارا یہ عمل باطل ہوگا چاہے اس میں کتنا ہی اخلاص کیوں نہ ہو۔ ①

مؤلف ؒ کا یہ کہنا: "اور وہی اہل سنت والجماعت ہیں، لہٰذا جو شخص ان سے دین نہ لے تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے، اور ہر بدعت درحقیقت گمراہی ہے، اور گمراہی اور گمراہ لوگ جہنم کا ایندھن ہیں"۔

حافظ ابن رجب ؒ فرماتے ہیں: "تمام علوم میں سے حقیقی علم نافع صرف وہ علم ہے جس میں قرآن وحدیث کے فرامین اور اس کا فہم ہو، اور قرآن وحدیث کے معانی ومطالب اور حلال وحرام، زہد وتقوی، تزکیہ وآداب جیسے اہم مسائل کے متعلق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین اور تبع تابعین سے جو آثار منقول ہیں ان پر عمل ہو، اور جس میں سب سے پہلے صحیح فرامین کو ضعیف سے جدا کرنے کی کوشش کی گئی ہو، پھر صحیح فرامین کے معانی اور مفہوم کو حاصل کرنے کی کوشش ہو، اور اسی میں ہی عقلمند کے لئے کفایت ہے اور جو شخص علم نافع کی چاہت رکھتا ہو اور اس کے حصول کا خواہشمند ہو تو اس کے لئے یہی طریقہ حصول ہے۔ اور جس شخص نے خالص اللہ کی رضا کی خاطر اور اللہ ﷻ ہی سے مدد طلب کرتے ہوئے اس طریقہ کو اختیار کیا تو اللہ ﷻ ضرور اس کی مدد فرمائے گا اور اسے ہدایت سے نوازے گا، اسے دین کی فہم عطا کرے گا اور علم نافع کا الہام فرمائے گا، اور اسی وقت ہی یہ علم اللہ ﷻ کی خشیت سے بہرہ مند کرے گا جو کہ اس کا حقیقی ثمرہ ہے، جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: 28)

---

① شیخ ؒ کا مقصد یہ ہے کہ یہ اسلامی دانشور اور اسلامی جماعتیں اپنے تئیں توحید حاکمیت کی طرف دعوت دے کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کر رہی ہیں، جبکہ امر بالمعروف میں سب سے پہلے توحید الوہیت ہے اور نہی عن المنکر میں سب سے پہلے عبادت میں شرک سے منع کرنا ہے، جیسا کہ قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ میں ثابت ہے، لیکن یہ توحید حاکمیت جس کی صحیح شرح وتوضیح میں بھی انہی جماعتوں کا آپس میں اختلاف ہے یہ اسی کی طرف دعوت دینے کو اپنا بنیادی فرض سمجھتے ہیں اور اس کے علاوہ شریعت کا بنیادی مقصد جو کہ توحید الوہیت وعبادت ہے اس کو فراموش کر دیتے ہیں یا پھر مصلحت آمیز رویہ اختیار کرتے ہیں اور یہ رویہ بجائے خود توحید حاکمیت کے صحیح مفہوم سے متصادم ہے۔ (مترجم)

ترجمہ: "اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو صاحب علم ہیں"۔

اور جس شخص نے سلف صالحین کے حکیمانہ کلام سے اور ان کے علم سے منہ موڑا اور ان کی کتابوں سے علم حاصل نہ کیا تو وہ خیر سے بالکل محروم رہا، اور وہ ان لوگوں کی پیروی کر کے دینِ باطل کا ایک ناکارہ جزو بن گیا جو سلف صالحین کے بعد آئے اور سلف صالحین کی مخالفت کر کے دینِ باطل کو اپنا بیٹھے تھے۔

اہل سنت والجماعت کا تحقیق واستدلال میں منہج

1 قرآن وحدیث کو مضبوطی سے تھامنا، اور دین کے تمام اصولی وفروعی مسائل کا حصول صرف انہی دو مصادر سے کرنا، اختلاف کی صورت میں قرآن وحدیث سے فیصلہ کرنا اور عقل، رائے، قیاس، ذوق، وجد، کشف اور خواب کو بنیاد بنا کر قرآن وحدیث سے اعراض نہ کرنا۔

قرآن وحدیث ہی وہ معیار ہے جس پر اقوال، اعمال اور عقائد کو پرکھا جاتا ہے، اور یہی وہ حق ہے جس کی اتباع کرنا لازم ہے، اور انہی دونوں کے ذریعہ حق وباطل میں فرق ظاہر ہوتا ہے، اور ہر شخص کی بات کو قرآن وحدیث پر پیش کیا جائے گا، اگر اس کی بات قرآن وحدیث کے موافق ہوگی تو قبول کر لی جائے گی ورنہ رد کر دی جائے گی، اور اہل سنت والجماعت قرآن وحدیث دونوں کو حجت مانتے ہیں اور اہل بدعت کی طرح کسی ایک کی حجیت کا انکار نہیں کرتے، اور (وہ یہ مانتے ہیں کہ) حدیث میں قرآن کی تفصیل اور وضاحت ہے، اور حدیث عقائد میں بھی اسی طرح حجت ہے جس طرح احکامات میں حجت ہے، اور صرف صحیح حدیث جو (نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے) ثابت ہو وہی حجت ہے (ضعیف حدیث نہیں)، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ منہج سلف صالحین کے متبعین نے احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہت اہتمام کیا، اور صحیح حدیث کو ضعیف سے الگ کرنے کے لئے بہت جدوجہد کی، اور ضعیف وموضوع احادیث کو الگ کتابوں میں جمع کر دیا، اور حدیث کی خدمت اور اس کی شرح کے متعلق بہت سی کتابیں تحریر کیں کیونکہ ان کا دین، عقیدہ، شریعت اور منہج سب اسی حدیث پر قائم تھا۔

2 قرآن وحدیث کے فرامین کی سمجھ حاصل کرنے کے لئے سلف صالحین (صحابہ رضی اللہ عنہم) کی طرف رجوع کرنا، کیونکہ اللہ عزوجل اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد کی معرفت کے سب سے زیادہ حقدار وہی ہیں، اس لئے کہ انہوں نے نزول وحی کا زمانہ پایا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ ہیں، وہ ہمہ وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے ہیں اور انہوں نے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال کی ہمیں خبر دی ہے، وہ لوگوں میں سب سے زیادہ فصیح وبلیغ ہیں، اور انہی کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے، اور اللہ عزوجل نے قرآن کریم میں ان کی تعریف فرمائی ہے اور انہیں سب سے بہتر اور سب سے افضل قرار دیا ہے، لہٰذا تا قیامت جو بھی ان سلف صالحین کے بعد آئے گا اس پر ان کی اتباع کرنا، ان کے عمل سے رہنمائی حاصل کرنا اور ان کے منہج پر چلنا واجب ہے۔

3 اہل سنت والجماعت ہمیشہ ظاہری معنی کو لیتے ہیں اور اس میں تاویل سے گریز کرتے ہیں، اور اہل سنت کے ہاں یہی قاعدہ ہے کہ (قرآن وحدیث کے) الفاظ کا ظاہری معنی لیا جائے جس پر حقیقت دلالت کر رہی ہو، کیونکہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے لہذا جو اسے سمجھنا چاہے تو وہ عرب کی زبان سے ہی سمجھے۔

قرآن وحدیث کے معانی اور اللہ ﷻ اور نبی ﷺ کی ان الفاظ سے حقیقی مراد کو سمجھنے کے لئے لغتِ قرآن کی معرفت اور صحابہ کرام وتابعین اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے علماء کے اقوال کی معرفت نہایت معاون اور مددگار ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " مقصد یہ ہے کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ لائے ہیں اور الفاظ قرآن اور حدیث سے جو بھی رسول اکرم ﷺ کی مراد ہے وہی اصلی علم، ایمان اور سعادت ونجات ہے"۔

اور قرآن وحدیث کے ایسے الفاظ جن کی مراد رسول اللہ ﷺ نے خود ہی بیان فرما دی ہے تو اس کے متعلق اہلِ لغت وغیرہ کے اقوال سے استدلال لینے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور ایسے حالات میں اللہ ﷻ اور نبی ﷺ کے بیان کردہ معنی ومراد کی طرف رجوع کرنا واجب ہے۔ اس کی مثال لفظ ایمان، اسلام، کفر، نفاق، صلاۃ، صیام، حج وغیرہ ہے، ان تمام الفاظ کی مراد کو نبی ﷺ نے کافی شافی طریقہ سے واضح فرما دیا ہے۔

اس قاعدہ کا ایک جزوی مسئلہ یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت اعتقادی مسائل کے بیان میں شرعی الفاظ کے استعمال پر اکتفاء کرتے ہیں اور ایسے نئے نئے الفاظ اور اصطلاحات کو استعمال نہیں کرتے جو علم کلام، منطق اور فلسفہ کو شرعی علوم کا حصہ بنائے جانے کے نتیجہ میں پیدا ہوئے[1]۔

4 اہل سنت والجماعت ایسے مجمل الفاظ استعمال نہیں کرتے جن میں ایک سے زائد معانی کا احتمال ہو، اور اگر اہل بدعت وغیرہ ایسے الفاظ استعمال کریں تو اہل سنت ان سے ان الفاظ کی مراد کی وضاحت طلب کرتے ہیں، اگر وہ مراد حق ہو تو اسے قبول کرتے ہیں اور اگر ان کی مراد باطل ہو تو اسے رد کر دیتے ہیں[2]۔ ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "تعبیر میں

---

[1] جیسا کہ اہل سنت والجماعت اللہ ﷻ کے لئے اہل کلام وفلسفہ کی طرح واجب الوجود کا لفظ استعمال نہیں کرتے بلکہ حی، قیوم کا لفظ استعمال کرتے ہیں جو قرآن وحدیث میں بکثرت استعمال ہوا ہے۔ (مترجم)

[2] ایسے الفاظ کا استعمال اہل بدعت نے اللہ ﷻ کی صفات کے باب میں بکثرت کیا ہے، جیسا کہ لفظ "جسم"، "حیز"، "واجب الوجود"۔ اب لفظ "جسم" قرآن وحدیث میں استعمال نہیں ہوا ہے لہذا اس لفظ کا اللہ ﷻ کے لئے استعمال کرنا بدعت ہے، لیکن اس لفظ کا بالکلیہ انکار نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ایک مجمل لفظ ہے، لہذا اس کی وضاحت طلب کی جائے گی کہ کہنے والے کی مراد کیا ہے، اگر اس کی مراد وہ جسم ہے جو عربی زبان میں استعمال ہوا، یعنی اگر اس سے مراد بدن ہے تو یہ باطل معنی ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت اللہ کے لئے بدن ثابت نہیں کرتے کیونکہ اللہ ﷻ کے مثل کوئی چیز نہیں ہے، اور اگر کہنے والے کی مراد یہ ہے کہ اللہ تمام صفات سے موصوف ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے سنتا بھی ہے، اس کے ہاتھ بھی ہیں، چہرہ بھی ہے اور پنڈلیاں بھی ہیں، تو یہ معنی حق ہے اور ایسے جسم کا انکار نہیں کیا جائے گا، لیکن اللہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، اس کا چہرہ ہے اس کے ہاتھ ہیں اللہ ﷻ کی یہ تمام صفات ایسی ہیں جیسے اس کی شان کے لائق ہیں اور اس کے مثل کوئی چیز نہیں۔ (مترجم)

شرعی الفاظ کا استعمال، ہی اہل سنت والجماعت کا راستہ ہے"۔

اسی لئے عقیدہ اسلامیہ کو پیش کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے کا اسلوب قرآن وحدیث کے مطابق ہونا ضروری ہے جیسا کہ ہمارے سلف صالحین نے کیا، اور ان دونوں سے ہٹ کر کسی اجنبی طریقہ واسلوب سے عقیدہ کی دعوت دینا جائز نہیں۔

5 اہل سنت والجماعت کا منہج ہے کہ وہ (کسی ایک مسئلہ کے بیان میں) تمام دلائل کو جمع کرتے ہیں، اور اس کا طریقہ یوں ہے کہ کسی بھی مسئلہ یا حکم کو متعین کرنے سے پہلے قرآن کی تمام آیات کو پڑھ لیا جائے، تمام احادیث کو دیکھ لیا جائے اور ان آیات واحادیث کے متعلق صحابہ کرام کی فہم پر نظر دوڑا لی جائے (پھر کوئی حکم متعین کیا جائے)، نہ یہ کہ قرآن کی آیات کو ایک دوسرے سے ٹکرا دیا جائے، اور ان یہودیوں کے طریقہ پر چل نکلے جو بعض آیات پر تو ایمان لاتے ہیں لیکن بعض آیات کا انکار کرتے ہیں، اور اللہ ﷻ نے ان کی یہ صفت بیان فرمائی ہے کہ: ﴿فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا﴾ (النساء: 78)، ترجمہ: "ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے؟"۔

عقیدہ کے باب میں اہل سنت والجماعت کا منہج

1 اہل سنت والجماعت عقیدہ کے باب میں صرف قرآن وحدیث ہی کو حصول علم کا واحد مصدر مانتے ہیں۔

2 اہل سنت والجماعت عقیدہ کے باب میں صحیح احادیث کو حجت تسلیم کرتے ہیں، اور اس میں متواتر اور خبر واحد کا کوئی فرق روا نہیں رکھتے، اور ان کی کتب میں موجود ایسی احادیث جن میں کچھ کلام ہو ان احادیث کو وہ کسی عقیدہ کی بنیاد کے طور پر نہیں لائے بلکہ (عقیدہ کی بنیاد کسی صحیح حدیث یا آیت پر رکھتے ہوئے) اس حدیث کو صرف بطور شاہد اور مزید تقویت کے لئے لائے ہیں، اور اسی لئے وہ تمام احادیث کو اسانید کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔

3 اہل سنت والجماعت کی قرآن وحدیث فہمی، صحابہ کرام کے فہم اور ان سے منقول آثار پر مبنی ہے۔

4 اہل سنت والجماعت (عقیدہ کے باب میں) وحی الٰہی کے ذریعہ ذکر کردہ دلائل کو دلی طور پر تسلیم کرنے کے ساتھ عقلی طور پر ان پر غور وفکر بھی کرتے ہیں، کیونکہ (عقائد کے متعلق) دلائل کبھی سمعی [1] ہوتے ہیں تو کبھی عقلی [2] بھی ہوتے ہیں اور خود اللہ ﷻ نے اس کی طرف ہمیں متنبہ فرمایا ہے۔

---

[1] سمعی دلائل سے مراد وہ دلائل ہیں جن کا عقل سے تعلق نہ ہو یا عقل جن کا احاطہ نہ کر سکتی ہو، جیسے زمین وآسمان کی تمام اشیاء کا اللہ ﷻ کے لئے سجدہ کرنا، فرشتوں کا اللہ تعالی کی حمد وثناء بیان کرنا، اور سورہ اخلاص میں اللہ تعالی کا اپنی وحدانیت، مکمل سرداری کا اعلان فرمانا، آیت الکرسی میں ذکر کردہ اللہ ﷻ کی کرسی اور دیگر صفات کا تذکرہ۔ (مترجم)

[2] عقلی دلائل سے مراد وہ دلائل ہیں جن میں انسان کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، جیسا کہ مردہ زمین کا بارش برسنے سے دوبارہ زندہ ہو جانا، آسمان وزمین کی تخلیق، مختلف جانوروں کی خلقت عجیبہ کا تذکرہ، رات اور دن کا آنا جانا اور اسی قسم کے بے شمار دلائل ہیں جو اللہ ﷻ کی توحید ربوبیت اور الوہیت کی جانب عقل مند انسان کی رہنمائی کرتے ہیں۔ (مترجم)

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"شرعی دلائل دو قسم کے ہیں: (۱) سمعی دلائل۔ (۲) عقلی دلائل۔ (اس کی تفصیل یہ ہے کہ) شرعی دلائل سے مراد ایسے دلائل ہیں جنہیں شریعت نے ثابت کیا ہے اور بطور دلیل کے پیش کیا ہے، اور دلیلِ شرعی سے وہ معاملات بھی مراد لئے جاتے ہیں جن کو شریعت نے مباح قرار دیا ہے اور اس کی اجازت دی ہے، تو سمعی دلائل تو وہ ہیں جو صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کے ذریعہ ہی معلوم ہو سکتے ہیں، البتہ عقلی دلائل وہ ہیں جنہیں شریعت نے بطور دلیل کے پیش کیا اور اس کی طرف توجہ دلائی ہے"[1]۔

5 علم کلام، فلسفہ اور ایسے غیبی امور جو عقل سے ماوراء ہوں اس میں جانے سے گریز کرنا، اور قرآن وحدیث کے فرامین کے متعلق اہل کلام کی باطل تاویلات کا رد کرنا۔

6 کسی مسئلہ کے متعلق قرآن وحدیث میں ذکر کردہ تمام دلائل کو یکجا کر کے باہمی تطبیق دینا (پھر اس مسئلہ کے متعلق کوئی رائے قائم کرنا)۔

اہل سنت والجماعت، اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات[2] کے معاملہ میں گزشتہ اصولوں کے ساتھ ساتھ چند اور اصول بھی ذکر کرتے ہیں جو یہ ہیں:

1 اللہ تعالیٰ کو صرف ان صفات کے ساتھ موصوف کیا جائے جو صفات خود اللہ تعالیٰ نے یا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ہیں، اور اس معاملہ میں قرآن وحدیث سے ہرگز بھی تجاوز نہ کیا جائے۔

2 اس بات کا قطعی یقین ہو کہ جو صفات اللہ تعالیٰ نے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لئے بیان فرمائی ہیں ان صفات میں مخلوق کے ساتھ کسی قسم کی تشبیہ (مشابہت) نہیں ہے۔

3 اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کو سمجھنے کی چاہت سے قطعی طور پر گریز کیا جائے۔[3]

---

[1] درء تعارض العقل والنقل (1/199)

[2] اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماء کے معاملہ میں اہل کلام نے بہت اختلاف کیا ہے، بعض نے سرے سے ہی صفات کا انکار کر دیا، بعض نے چند صفات کا انکار کیا اور کچھ کا اقرار کیا، اور یہ سب انکار واقرار ان کے خود ساختہ اصولوں اور قاعدوں کی بنیاد پر تھے، یہی وجہ ہے کہ اہل سنت والجماعت نے قرآن وحدیث کے بغور مطالعہ اور سلف صالحین کے آثار کی روشنی میں چند اصول ذکر کئے ہیں جن کے ذریعہ اہل کلام کی تمام باطل تاویلات کا رد بھی ممکن ہے اور اسماء وصفات جیسے نازک باب میں کسی غلطی سے بھی محفوظ رہا جا سکتا ہے۔ (مترجم)

[3] اس اصول کی وجہ یہ کہ انسان کو بہت کم عقل اور علم دیا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ أُوتِيتُم مِّنَ ٱلْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا﴾ (الاسراء: 85)، ترجمہ: "اور تمہیں بہت کم علم دیا گیا ہے"، اسی لئے انسان بہت سے معاملات کو سمجھنے سے قاصر ہے، ان کی حقیقت کی مکمل معرفت اس کے بس کی بات نہیں، کئی مخلوقات ایسی ہیں جن کی حقیقت سے انسان صحیح طور پر آگاہ نہیں، بلکہ انسان خود اپنے اندر موجود روح کی حقیقت سے لاعلم ہے، وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہے کہ روح کیا چیز ہے، جب انسان، بہت سی مخلوقات کی حقیقت اور کیفیت کو سمجھ نہیں سکتا تو وہ خالق کائنات، اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت کو کیسے سمجھ سکتا ہے، اسی لئے اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر ایمان لانا واجب ہے البتہ صفات کی کیفیت کے بارے میں غور وخوض نہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ کیسا ہے، اللہ تعالیٰ کا چہرہ کیسا ہے، اللہ تعالیٰ عرش پر کیسے مستوی ہے وغیرہ وغیرہ، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو سمجھنے کی ہم صلاحیت ہی نہیں رکھتے ہیں۔

4 اللہ ﷻ کی کسی بھی صفت کے بارے میں جو بات کی جائے گی وہ بات تمام صفات پر لاگو ہوگی[1]۔

5 اللہ ﷻ کی صفات کے بارے میں کوئی بات کرنا درحقیقت اللہ ﷻ کی ذات کے متعلق بات کرنے کا شاخسانہ ہے[2]۔

6 صفات باری تعالیٰ میں نفی اور اثبات کے لئے محض انہی الفاظ کو لازم پکڑا جائے جو شرعی الفاظ ہیں[3]۔

عقیدہ سلف صالحین کے امتیازات اور خصوصیات

1 اس عقیدہ کی سیرابی پاکیزہ صاف چشمہ یعنی قرآن وحدیث سے ہوئی ہے، جو کہ شہوات اور شبہات کی میل کچیل

[1] اس اصول کا مطلب یہ ہے کہ بعض اہل بدعت یعنی اشاعرہ اور ماتریدیہ فرقے قرآن وحدیث میں ذکر کردہ اللہ ﷻ کی صفات میں سے صرف سات صفات کا اقرار کرتے ہیں، باقی صفات کا اس بنیاد پر انکار کرتے ہیں کہ ان صفات کے اقرار سے یا تو "حدث" یعنی اللہ ﷻ کے لئے جدیدیت لازم آتی ہے کہ اللہ ﷻ نے یہ کام ابھی حال میں انجام دیا ہے جبکہ اللہ ﷻ ازل سے ہے اور اللہ ﷻ کی تمام صفات ازل سے ہیں یا پھر ان صفات کے اقرار سے اللہ ﷻ کی مخلوق سے مشابہت لازم آتی ہے۔ تو ان سے یہ بات کہی جائے گی کہ اگر ان سات صفات کے اقرار سے نہ اللہ ﷻ کے لئے "حدث" لازم آتا ہے نہ مشابہت لازم آتی ہے، تو باقی صفات جو قرآن مجید اور احادیث رسول ﷺ میں مذکور ہیں ان کے متعلق بھی یہی بات کی جائے گی کہ اللہ تعالیٰ اپنی ان صفات کے ساتھ موصوف ہے جیسے اللہ کی شان کے لائق ہے، اور ان صفات کے اقرار سے بھی نہ اللہ ﷻ کے لئے "حدث" لازم آتا ہے، اور نہ ہی مخلوق کے ساتھ مشابہت۔

[2] یعنی جس طرح اللہ ﷻ کی ذات کا تمام فرقے اقرار کرتے ہیں اور اس ذات کو کسی مخلوق کے مشابہ قرار نہیں دیتے جبکہ تمام مخلوقات بھی ذات رکھتی ہیں، تو اسی طرح اللہ ﷻ کی ان تمام صفات کا بھی اقرار کرنا چاہئے جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں اور یہ نہیں کہنا چاہئے کہ فلاں صفت کا اقرار کرنے سے مخلوقات سے مشابہت لازم آتی ہے بلکہ ان صفات کے متعلق بھی وہی بات کی جائے گی جو اللہ ﷻ کی ذات کے متعلق کی گئی ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "صفات باری تعالیٰ کے متعلق بات کرنا ایسا ہی ہے جیسا اللہ ﷻ کی ذات کے متعلق بات کرنا، کیونکہ اللہ ﷻ کے مثل کوئی چیز نہیں، نہ اللہ ﷻ کی ذات میں، نہ صفات میں، نہ افعال میں، تو جب اللہ ﷻ کی حقیقتاً ایسی ذات موجود ہے جو مخلوقات کی ذات کے مشابہ نہیں ہے، تو یہ ذات ایسی صفات بھی رکھتی ہے جو مخلوقات کی صفات کے مشابہ نہیں ہے" (الرسالۃ التدمریۃ:3/25)۔

[3] قرآن مجید اور حدیث شریف میں اللہ ﷻ کی صفات کے متعلق دو طرح کا اسلوب اختیار کیا گیا ہے: (۱) نفی: اس اسلوب کو تنزیہی اسلوب کہا جاتا ہے، یعنی اللہ ﷻ سے ان صفات کی نفی کرنا جو اللہ ﷻ کی شان کے لائق نہیں، جیسا کہ خود قرآن مجید میں کئی مقامات پر اس اسلوب کو اختیار کیا گیا قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "اس کے مثل کوئی چیز نہیں"، سورہ اخلاص میں آخری دو آیات میں یہی اسلوب اختیار کیا گیا کہ: "اس کی اولاد نہیں، اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے، اور نہ ہی کوئی اس کا ہمسر ہے"۔ اسی طرح آیت الکرسی میں ذکر کیا گیا کہ: "اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ"۔ (۲) اثبات: اس اسلوب کے ذریعہ ان تمام صفات کو اللہ ﷻ کے لئے ثابت کیا گیا ہے جو اللہ ﷻ کی شان کے لائق ہیں، جیسا کہ اللہ ﷻ کا حی اور قیوم ہونا، سمیع وبصیر ہونا، رحمن ورحیم ہونا، علیم وخبیر ہونا، خالق ومالک ہونا، غرض یہ کہ ہر وہ صفت جس سے ذات باری تعالیٰ متصف ہے اور وہ صفت اللہ کی شان کے لائق ہے تو اس کا اثبات قرآن وحدیث میں کیا گیا ہے۔ لیکن دونوں اسلوب میں فرق یہ ہے کہ تنزیہی اسلوب میں اجمال ہے اور اثبات میں تفصیل ہے، یعنی جن صفات کی نفی کرنی ہے انہیں اجمالاً بیان کیا گیا ہے، اور جن صفات کا اثبات کرنا ہے انہیں تفصیلاً بیان کیا گیا ہے، یہی وجہ ہے کہ پورے قرآن میں تنزیہی اسلوب صرف آٹھ سے دس مقامات پر اختیار کیا گیا، جبکہ اثبات کا اسلوب تقریباً ہر آیت میں یعنی ہزاروں مقامات پر اختیار کیا گیا، جبکہ اہل بدعت نے اس کے برعکس اسلوب اختیار کیا، وہ اثبات بہت کم کرتے ہیں، البتہ نفی میں تفصیل کرتے ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ اثبات اور نفی میں ایسے الفاظ اختیار کرتے ہیں جو قرآن وحدیث میں نہیں ہیں بلکہ ان کے خود ساختہ ہیں، مثلاً یہ کہ: "اللہ ﷻ وہ ذات ہے جو واجب الوجود ہے، جس کی آنکھیں نہیں ہے، جس کی زبان نہیں ہے، ہونٹ نہیں ہے، وہ کلام نہیں کرتا۔۔۔۔" الخ۔ جبکہ اہل سنت والجماعت اسلوب بھی وہی اختیار کرتے ہیں جو قرآن وحدیث کا ہے اور الفاظ بھی صرف وہی بیان کرتے ہیں جو شریعت میں وارد ہوئے ہیں۔ (مترجم)

سے دور ہے، اور منطق وفلسفہ اور ان جیسے دیگر جانبی تاثیرات کے حامل علوم کی اثر پذیری سے بھی محفوظ ہے۔

2 یہ عقیدہ نفس میں اطمینان اور سکون پیدا کر دیتا ہے اور مسلمان کو وہموں اور شکوک وشبہات سے دور لے جاتا ہے۔

3 یہ عقیدہ مسلمان کو فرامین قرآن وحدیث کی حقیقی تعظیم کا حامل بناتا ہے، کیونکہ مسلمان یہ جان لیتا ہے کہ انہی فرامین میں حق وصواب ہے، اور انہی میں نجات کبری ہے، اور یہ ایسی خصوصیات ہیں جن (کی کمی) کا احساس ان فرامین سے ناآشنا شخص ہی محسوس کر سکتا ہے۔

4 یہ عقیدہ مسلمان کو سلف صالحین سے منسلک کر دیتا ہے۔

5 یہ عقیدہ مسلمانوں میں اللہ ﷻ کی اس پسندیدہ صفت کو پختہ کر دیتا ہے جو اللہ ﷻ کے اس فرمان میں مذکور ہے کہ:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا﴾ (النساء65)

ترجمہ: "تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں اور جو فیصلہ تم کردو اس سے اپنے دل میں تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے"۔

6 یہ عقیدہ مسلمانوں کی صفوں میں وحدت پیدا کرتا ہے اور انہیں ایک کلمہ پر جمع کر دیتا ہے، کیونکہ یہی اللہ ﷻ کے اس فرمان کی اتباع ہے کہ: ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران (103) ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کی رسی کو سب ملکر مضبوط تھام لو اور پھوٹ نہ ڈالو"۔

7 اس عقیدہ کو تھامنے والے کے لئے یہ عقیدہ جائے امان ہے، اور وہ شخص ان خوش نصیبوں میں داخل ہوجاتا ہے جنہیں نبی ﷺ نے دنیا میں مدد اور غلبہ کی اور آخرت میں نجات اور کامیابی کی بشارت دی ہے۔

8 اس عقیدہ کو تھامے رہنا دین پر ثابت قدم رہنے کا اہم ترین سبب ہے۔

9 یہ عقیدہ اپنے ماننے والے کے اخلاق اور سلوک پر گہرا اثر ڈالتا ہے۔

10 اور اسی طرح یہ عقیدہ، اللہ ﷻ کے دین پر استقامت اختیار کرنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

11 یہ عقیدہ اللہ ﷻ کا قرب اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کا سب سے اہم ترین ذریعہ ہے۔

اہل سنت والجماعت کے امتیازات اور خصوصیات

1 اہل سنت والجماعت کا حق پر ڈٹے رہنا اور خواہش پرستوں کی طرح بار بار پھر نہ جانا۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "خلاصہ کلام یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت میں اہل کلام اور فلسفہ سے کئی گنا بڑھ کر ثابت قدمی

اور استقرار موجود ہے"[1]۔ اور اس کا بنیادی سبب ان کی توحید واتباع میں صحیح روش اختیار کرنا ہے۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " مقصد یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے علماء اور عوام میں اپنے عقائد کے متعلق جو معرفت، یقین، اطمینان، حق وقول کی پختگی اور اعتماد ہے یہ ایسا خاصہ ہے جس کے متعلق عقل ودین سے محروم شخص ہی اختلاف کرسکتا ہے"[2]۔

2 اہل سنت والجماعت کا امور عقیدہ پر متفق ہونا اور زمان ومکان کے مختلف ہونے کے باوجود ان کے درمیان اختلاف نہ ہونا۔ قوام السنہ امام اصبہانی رحمہ اللہ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " اہل حدیث ہی کے اہل حق ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کے اول وآخر، قدیم وجدید مختلف زمانوں اور شہروں سے تعلق رکھنے والے ایک دوسرے سے دور، دنیا کے مختلف کونوں میں بسنے والے تمام مصنفین کی جمیع کتب کو پڑھ لیجئے آپ ان کتابوں میں بیان کردہ عقیدہ کو ایک ہی طریقہ اور انداز پر پائیں گے، وہ سب کے سب ایک ہی طریقہ پر چلتے ہیں جس سے نہ وہ ہٹتے ہیں نہ کسی اور طرف مائل ہوتے ہیں، عقیدہ کے متعلق ان سب کا قول بھی ایک ہے اور منقول بھی ایک ہے، آپ اس میں کسی چھوٹی سے چھوٹی بات میں بھی ان کا کوئی اختلاف اور کوئی تفرقہ نہیں پائیں گے، بلکہ اگر آپ وہ سب باتیں جو خود انہوں نے کہیں اور جو انہوں نے اپنے سلف سے نقل کی ہیں انہیں جمع کریں تو آپ کو یہ محسوس ہوگا کہ گویا یہ بات ایک ہی دل کی صدا اور ایک ہی زبان سے جاری ہوئی ہے، اور کسی کے حق ہونے پر اس سے واضح کوئی اور دلیل ہوسکتی ہے؟؟"[3]۔

3 اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ سلف صالحین کا طریقہ کار ہی سب سے محفوظ ترین، علم سے معمور اور حکمت سے بھرپور ہے، نہ کہ جیسا اہل کلام نے دعوی کیا کہ سلف صالحین کا طریقہ محفوظ تو ہے لیکن ہمارا طریقہ زیادہ علم والا اور حکمت والا ہے[4]۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ ان کے اسی بہتان کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں: " انہوں نے سلف صالحین کے طریقہ کے متعلق جھوٹ کہا ہے اور خلف (یعنی بعد میں آنے والے) کے طریقہ کو درست کہہ کر گمراہی کا شکار ہوگئے ہیں، چنانچہ اس طرح

---

[1] مجموع الفتاوی (4/51)

[2] مجموع الفتاوی (4/49)

[3] الحجة فی بیان المحجة للأصبهاني (2/224)

[4] اہل کلام کے مختلف فرقوں جیسے معتزلہ، اشاعرہ، ماتریدیہ سے جب یہ کہا جاتا تھا کہ عقیدہ کے اندر اللہ ﷻ کی صفات کے باب میں ایمان اور تقدیر وغیرہ کے ابواب میں سلف صالحین یعنی صحابہ کرام اور تابعین عظام ان بحثوں میں نہیں الجھے جن بحثوں میں آج تم الجھ رہے ہو تو ان کا جواب ہوتا تھا کہ صحابہ کرام اور تابعین کا منہج محفوظ ہے یعنی کسی بحث میں الجھے بغیر بس ایمان لایا جائے اور ہمارا منہج زیادہ علم والا ہے کیونکہ ہم ایک ایک بات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں، اور ان باتوں کی کھوج کرتے ہیں جو سلف صالحین کے علم میں نہیں تھی۔ مؤلف رحمہ اللہ ان کی اسی بات کا رد کررہے ہیں کہ سلف صالحین ہی کا منہج محفوظ بھی ہے اور زیادہ علم والا بھی، جیسا کہ آگے چل کر امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ سے بھی یہی بات نقل کی ہے۔ (مترجم)

سلف صالحین کے طریقہ کے متعلق یہ جھوٹ اور جہالت کو جمع کر بیٹھے ہیں اور خلف کے طریقہ کو درست کہہ کر یہ جہالت اور گمراہی کو سمیٹ رہے ہیں"①۔

مزید فرماتے ہیں:" پھر یہ اہل کلام جو سلف صالحین کے مخالف ہیں ان سے اگر معاملہ کی تحقیق کی جائے تو ان کے پاس اللہ ﷻ کے متعلق حقیقی علم اور خالص معرفت کے حوالہ سے نہ تو کوئی حدیث ہے نہ کوئی دلیل اور نہ ہی سلف کا کوئی قول! تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ان جیسے لوگ جن کی عقلوں پر پردہ ہے، جن پر دوسروں کو فضیلت دی گئی ہے اور دوسرے لوگ ایمان میں ان سے سبقت لے گئے ہیں، جو حیران و پریشان ہوں اور فضول گوئی کے عادی ہوں وہ اللہ ﷻ کے اسماء اور صفات کے باب میں ان لوگوں سے زیادہ علم وحکمت کے حامل ہوں جو لوگ سابقین اولین، مہاجرین وانصار میں سے ہیں اور وہ لوگ جو ان کی احسن انداز میں پیروی کر کے انبیاء کے وارث، اور رسولوں کے نائب قرار پائے ہیں، جو ہدایت کے چمکتے ستارے ہیں، اندھیروں میں جلتے چراغ ہیں، جن کے ذریعہ قرآن مجید کا قیام ہوا، اور جو خود قرآن مجید کے سہارے کھڑے ہوئے، جن کے ذریعہ کتاب نے کلام کیا اور جنہوں نے کتاب کے ذریعہ کلام کیا، جنہیں اللہ ﷻ نے ایسا علم اور حکمت عطا کی جس کے ذریعہ وہ تمام انبیاء کے تمام پیروکاروں پر فضیلت لے گئے، بشمول ان تمام امتوں کے جن کے پاس کتاب ہی موجود نہیں ہے، اور انہوں نے ظاہری اور باطنی حقائق کا ایسا احاطہ فرمایا ہے کہ اگر ان حقائق کا کسی اور کی حکمت کے ساتھ موازنہ کیا جائے تو موازنہ کی چاہ رکھنے والا شرمسار ہوجائے"②۔

4 اہل سنت والجماعت ہی نبی اکرم ﷺ کے حالات، فرامین اور افعال مبارکہ کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، اسی لئے وہ سب سے بڑھ کر سنت سے محبت کرنے والے، اتباع سنت کے دلدادہ اور اہل سنت سے قریبی تعلق رکھنے والے ہیں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"لہذا جب رسول اللہ ﷺ کامل ترین مخلوق ہیں اور حقائق کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے ہیں، قول وفعل میں سب سے بڑھ کر ہدایت پر ہیں تو لازمی بات ہے کہ نبی ﷺ کے احوال کا سب سے زیادہ علم رکھنے والا ہی سب سے بڑا عالم ہے اور نبی ﷺ کی سب سے بڑھ کر اتباع کرنے والا ہی سب سے افضل ہے"۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ طائفہ منصورہ اور فرقہ ناجیہ ہونے کے سب سے زیادہ حقدار اہل سنت والجماعت ہی ہیں، شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لہذا یہ بات واضح ہوگئی کہ فرقہ ناجیہ ہونے کے سب سے زیادہ حقدار اہل حدیث ہیں

① مجموع الفتاوی (5/11)

② مجموع الفتاوی (5/9)

جوصرف اور صرف اپنے ایک ہی امام یعنی نبی ﷺ کے لئے ہی تعصب کرتے ہیں، اور وہ نبی ﷺ کے اقوال وافعال کا سب سے زیادہ علم رکھتے ہیں اور وہی صحیح حدیث کو ضعیف سے الگ کرنے کی سب سے زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں اور ان کے ائمہ ہی درحقیقت حدیث کے فقہاء بھی ہیں اور حدیث کے معانی کی معرفت رکھنے والے بھی ہیں، اور یہی اہل حدیث سب سے بڑھ کر حدیث کی اتباع کرنے والے، حدیث کی تصدیق کرنے والے، اس پر عمل کرنے والے اور اس سے محبت کرنے والے، اور جو حدیث سے تعلق جوڑے اس سے تعلق جوڑنے والے اور جو حدیث سے عداوت رکھے اس سے عداوت رکھنے والے ہیں"[1]۔

5 اہل سنت والجماعت صحیح عقیدہ کو نشر کرنے، اس دین قویم کی تبلیغ کرنے جسے اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ کو عطا کرکے مبعوث فرمایا ہے اور لوگوں کو تعلیم دینے، ان کی رہنمائی کرنے اور مخالفین اور اہل بدعت پر رد کرنے میں بہت حریص ہیں۔

6 اہل سنت والجماعت کا تمام فرقوں میں سے سب سے زیادہ راہ اعتدال پر قائم رہنا۔ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"اہل سنت مسلمانوں میں اسی طرح ہیں جس طرح اہل اسلام باقی تمام ادیان کے مقابلہ میں ہیں"۔

پھر ایک اور مقام پر اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "اہل سنت والجماعت اللہ ﷻ کی صفات کے باب میں جہمیہ جو کہ اہل تعطیل ہیں اور مشبہ جو کہ اہل تمثیل ہیں کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہیں، اسی طرح اللہ ﷻ کے افعال کے باب میں قدریہ اور جبریہ کے درمیان ہیں، اور وعدہ ووعید کے باب میں مرجئہ اور وعیدیہ کے درمیان ہیں، اور ایمان اور دین کے اسماء کے اطلاق میں وہ حروریہ ومعتزلہ اور مرجئہ وجہمیہ کے درمیان ہیں، اور اصحاب رسول ﷺ کے باب میں وہ روافض اور خوارج کے درمیان ہیں[2]"[3]۔

7 اہل سنت والجماعت مسلمانوں کے ایک جماعت پر ہونے، اور آپس میں الفت قائم کرنے پر

---

[1] مجموع الفتاوی (4/140-141)

[2] جموع الفتاوی (3/141)

[3] اہل سنت والجماعت کی وسطیت اور راہ اعتدال پر قائم ہونے کے حوالہ سے شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے عقیدہ کے پانچ ابواب کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان ابواب میں اشارتاً اہل بدعت کے اقوال کو ذکر کرتے ہوئے اہل سنت کی وسطیت کو اجاگر کیا ہے۔ ان پانچ ابواب اور ان میں اختلاف کرنے والے فرقوں کا مختصر تذکرہ یہ ہے:

(1) اللہ ﷻ کی صفات کا باب: اس باب میں اہل بدعت دو انتہاؤں تک پہنچے ہیں، بعض اہل بدعت وہ ہیں جنہوں نے اللہ ﷻ کے اسماء وصفات کا کلی انکار کیا ہے، جیسے جہمیہ اور معتزلہ۔ جہمیہ فرقہ کی بنیاد جہم بن صفوان نامی ایک شخص نے رکھی جو اصلا یہودی تھا، اور اس نے اللہ ﷻ کی صفات کے انکار کا یہودی عقیدہ مسلمانوں میں داخل کیا، اور معتزلہ فرقہ کی بنیاد واصل بن عطاء نامی ایک شخص نے رکھی جو حسن بصری رحمہ اللہ کی مجلس میں بیٹھتا تھا لیکن ان سے اختلاف کرکے الگ ہو گیا تو اسے معتزلی کہا جانے لگا، معتزل کا لغوی مطلب ہے الگ تھلگ ہو جانے والا، اس فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اللہ ﷻ کے ناموں کا اقرار کرتے تھے البتہ صفات کا انکار کرتے تھے۔ دوسری طرف مشبہ تھے جو اللہ ﷻ کی صفات کا اقرار تو کرتے تھے لیکن ان صفات کو مخلوق کے مشابہ قرار دیتے تھے۔ اہل سنت والجماعت ان دو انتہاؤں کے درمیان ہیں، وہ اللہ ﷻ کی قرآن وحدیث میں بیان کردہ تمام صفات کا اقرار بھی کرتے ہیں اور انہیں مخلوق کے مشابہ بھی قرار نہیں دیتے۔ (بقیہ اگلے صفحہ پر۔۔۔)

حریص ہوتے ہیں، وہ اس کی طرف لوگوں کو بلاتے بھی ہیں اور ترغیب بھی دلاتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ اہل توحید میں اختلاف اور تفرقہ کورد کرتے ہیں اور لوگوں کو اس اختلاف سے ڈراتے ہیں، اور ان کی یہ خصوصیت ان کے نام میں بڑے واضح طور پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے، پس وہ اہل سنت والجماعت (یعنی سنت والے اور جماعت والے) ہیں، اور کیوں نہ

(بقیہ حصہ)(2) اللہ ﷻ کے افعال کا باب: افعال سے مراد اللہ تعالی کے تمام پاکیزہ افعال جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں اور جو مذکور نہیں ہیں، جیسا کہ پیدا کرنا اور علم رکھنا، ارادہ کرنا وغیرہ۔ اہل بدعت اس باب میں بھی دو انتہاؤں کو پہنچے ہیں۔ ایک طرف قدریہ ہیں جو تقدیر کا انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں بندوں کے افعال بندے خود تخلیق کرتے ہیں اللہ ﷻ اس کی تخلیق نہیں کرتا، بلکہ (نعوذ باللہ) اللہ ﷻ کو اس کا علم بھی جب ہوتا ہے جب بندہ وہ عمل کر گزرتا ہے۔ دوسری طرف جبریہ ہیں جو یہ کہتے ہیں بندوں کے افعال اللہ ﷻ ہی تخلیق فرماتا ہے اور بندہ کا اس میں کوئی ارادہ اور کوئی عمل دخل نہیں، اور بندہ مجبورِ محض ہے۔ اہل سنت والجماعت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ بندوں کے افعال اللہ ﷻ تخلیق تو فرماتا ہے لیکن اس معاملہ میں بندہ مجبور محض نہیں، بلکہ اس کا بھی ارادہ اور مشیت ہے، اور اسی وجہ سے وہ اپنے اعمال کا جوابدہ بھی ہے اور اس پر اجر یا سزا کا مستحق بھی ہے۔

(3) وعدہ اور وعید کا باب: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے مغفرت کا وعدہ بھی کیا ہے اور جہنم کی وعید بھی دی ہے، نیکیوں پر جنت کی خوشخبری ہے اور گناہوں پر جہنم کی وعید۔ اس باب میں بھی اہل بدعت دو انتہاؤں پر پہنچے ہیں۔ ایک طرف حروری ہیں یعنی خوارج، انہیں حروری اس لئے کہا جاتا ہے کہ علی ؓ کے دور میں علی ؓ سے معرکہ آرائی کے لئے اور جنگ کی تیاری کے لئے ان کا تجمع اور اجتماع حروراء مقام پر ہوا تھا، ان کا عقیدہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب ابدی جہنمی ہے اور اس کے لئے کوئی مغفرت نہیں ہے، نہ ہی وہ شفاعت کا حقدار ہے، دوسری طرف مرجئہ ہیں، مرجئہ ارجاء سے ہے اور ارجاء کا مطلب ہوتا ہے کسی چیز کو پیچھے کر دینا، انہیں مرجئہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایمان کی تعریف میں سے عمل کو نکال دیا، ان کا عقیدہ ہے کہ ایمان کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا، اس لئے کوئی گناہ گار جہنم میں نہیں جائے گا، البتہ کافر جہنم میں جائے گا، بلکہ بعض مرجئہ تو اس حد تک غلو کر گئے کہ انہوں نے کافروں کے لئے بھی جنت کو حلال کر دیا، اور معاذ اللہ ان کے نزدیک شیطان بھی مومن ہے کیونکہ وہ اللہ پر اعتقاد رکھتا ہے، اور فرعون بھی مومن ہے کہ وہ دل سے اللہ پر ایمان رکھتا تھا۔۔۔! اہل سنت والجماعت ان دونوں انتہاؤں کے درمیان ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرلے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا البتہ اس کا معاملہ اللہ ﷻ کے ہاتھ میں ہے، اللہ ﷻ چاہے تو اسے معاف کر کے بغیر عذاب دیئے جنت میں داخل کر دے، چاہے تو عذاب دے کر جنت میں داخل کر دے، اور گناہ کبیرہ کا مرتکب نبی ﷺ کی شفاعت کے حق سے محروم نہیں ہوتا۔

(4) ایمان اور دین کے نام کا باب: یعنی انسان کو کب مومن اور کب کافر کہا جائے گا، اس باب میں بھی اہل بدعت دو انتہاؤں پر ہیں۔ ایک طرف خوارج اور معتزلہ ہیں جن کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب دائرہ اسلام سے خارج ہے اور اگر بغیر توبہ کے فوت ہوگیا تو ابدی جہنمی ہے، البتہ ان دونوں کا اس بات پر اختلاف ہے کہ اسے کافر کہا جائے گا یا نہیں، خوارج کے نزدیک وہ کافر ہے البتہ معتزلہ کے نزدیک وہ کفر اور ایمان کے درمیان ایک مرتبہ پر ہے، وہ نہ کافر ہے نہ مومن۔ دوسری طرف مرجئہ ہیں جن کے نزدیک مرتکب کبیرہ کا ایمان بھی فرشتوں اور انبیاء کے ایمان کی طرح ہی ہے اس میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ان دونوں کے وسط میں ہے کہ مرتکب کبیرہ مسلمان ہے کافر نہیں ہے، البتہ اس کا ایمان فرشتوں کے برابر بھی نہیں ہے، بلکہ اس کے ایمان میں اس کے گناہوں کے بقدر کمی ہوتی ہے، اور اعمال صالحہ کے ساتھ ساتھ ایمان بڑھتا ہے۔

(5) صحابہ رضی اللہ عنہم کا باب: اہل بدعت صحابہ کے باب میں بھی دو انتہاؤں پر ہیں، ایک طرف خوارج ہیں جنہوں نے اہل بیت سمیت تمام صحابہ کو جنہوں نے جنگ جمل و صفین میں شرکت کی انہیں (نعوذ باللہ) کافر قرار دیا ہے، دوسری طرف روافض ہیں جو اہل بیت کی تعظیم میں اس حد تک چلے گئے کہ انہیں معبود کے درجہ تک لے گئے، جبکہ باقی تمام صحابہ بشمول ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، خلیفہ اول سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی تکفیر یا تبرا کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت ان دونوں کے درمیان راہ اعتدال پر ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام تمام انبیاء کے بعد سب سے افضل قوم ہیں، ان کی تعظیم کرنا، ان سے محبت کرنا، ان کے لئے دعا کرنا واجب ہے، البتہ ان کی تعظیم میں غلو نہیں کرنا چاہئے اور جو ان کا صحیح مقام ہے اور ان کی شان کے لائق ہے وہی مقام ان کو دینا چاہئے۔

ہوں جبکہ ان کے امام صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا ہے کہ: "بیشک اللہ ﷻ نے تمہارے لئے تین چیزوں کو پسند فرمایا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے: (اور وہ یہ ہیں) کہ تم صرف اللہ ﷻ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور یہ کہ تم اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ بازی نہ کرو۔۔۔۔" ①۔ اور ان کے رب نے بھی ان سے یہ فرمایا ہے کہ: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝ يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ﴾ " (آل عمران (105-107)، ترجمہ: تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اپنے پاس روشن دلیلیں آ جانے کے بعد بھی تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا انہی لوگوں کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن بعض چہرے سفید ہونگے اور بعض سیاہ"۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: " اہل سنت کے چہرے سفید ہوں گے اور اہل بدعت کے چہرے سیاہ ہوں گے"۔

اہل سنت والجماعت سے الگ ہو جانے والے اہل بدعت کا منہج استدلال

1. عقیدہ سمیت دین کے تمام مباحث میں دلیل شرعی (قرآن وحدیث) پر انحصار نہ کرنا، بلکہ اہل بدعت تمام اہم مباحث بشمول عقیدہ میں منطق اور فلسفہ کو بھی دلیل تصور کرتے ہیں، اس سے استدلال کرتے ہیں، اور اسے عقلیات کا نام دیتے ہیں۔ اسی طرح اہل بدعت ایسی من گھڑت حکایات اور واقعات سے بھی استدلال کرتے ہیں جن کی کوئی بنیاد نہیں ہے، اسی طرح وہ ایسی روایات اور احادیث کو بھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں جو بالکل من گھڑت اور موضوع ہیں، اور صوفیوں کے خودساختہ کشف اور ذوق سے بھی دینی مباحث میں استدلال کرتے ہیں۔

2. اہل بدعت، طریقہ استدلال میں اہل سنت والجماعت کے ہاں معتبر قواعد کا لحاظ نہیں کرتے، اسی لئے وہ متشابہ دلائل ② کی پیروی کرتے ہیں اور اس متشابہ دلیل کو محکم (واضح) پر پیش نہیں کرتے، مجمل لفظ سے استدلال کرتے ہیں اسے مبیّن لفظ کی طرف نہیں لوٹاتے، وعدہ اور وعید کے نصوص کو جمع نہیں کرتے ③، نہ ہی نفی اور اثبات کے دلائل کو جمع کرتے ہیں، اور نہ ہی عموم وخصوص کے دلائل کو جمع کرتے ہیں۔

---

① صحیح مسلم (کتاب الاقضیۃ: 1715)

② یعنی ایسے دلائل جن کے معنی میں اس لحاظ سے پیچیدگی ہو کہ اس سے حق معنی بھی ثابت ہوتا ہو اور باطل معنی بھی تو، اہل بدعت ان متشابہ دلائل کا باطل معنی مراد لے کر ان سے استدلال کرتے ہیں۔ اس استدلال کی کچھ مثالیں آگے چل کر بیان ہوں گی۔

③ یعنی یا تو صرف ایسی آیات اور احادیث کو لے لیتے ہیں جو اللہ تعالی کی مغفرت کے وعدوں پر مشتمل ہیں اور یہ عقیدہ رکھ لیتے ہیں کہ گناہوں کی وجہ سے ایمان کم نہیں ہوتا، یا پھر صرف ایسی آیات اور احادیث کو لیتے ہیں جو محض اللہ تعالی کی وعیدوں پر مشتمل ہوتی ہیں اور پھر گناہ کبیرہ کے مرتکب ایک مسلمان کو بھی ابدی جہنمی قرار دیتے ہیں۔ جبکہ اعتدال یہ ہے کہ وعدہ اور وعید دونوں کو جمع کیا جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ گناہوں کے سبب ایمان میں کمی واقع ہوتی ہے اور بسا اوقات انسان اپنے ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے، اسی طرح یہ بھی عقیدہ رکھا جائے کہ اللہ تعالی شرک کے علاوہ تمام گناہوں کو معاف فرما دے گا، یا تو بغیر عذاب کے یا پھر عذاب دے کر اور کبیرہ گناہ کے مرتکب لوگ بھی اگر اہل توحید ہیں تو بالآخر جنت میں داخل ہوں گے۔

3 اہل بدعت دینی مباحث میں صحابہ اور سلف صالحین کی تفسیر پر اعتبار نہیں کرتے، نہ ہی سلف صالحین کی فہم، ان کے آثار، عمل اور طریقہ کو معتبر سمجھتے ہیں، بلکہ وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے دیگر گمراہ راہوں پر چل نکلتے ہیں۔

4 شرعی نصوص واحکامات میں سے جو حکم اہل بدعت کے اصول یا خواہشات کے موافق نہیں ہوتا اسے وہ رد کردیتے ہیں۔

5 عقیدہ کے مسائل میں وہ محض اپنی خود ساختہ تاویلات پر اعتماد کرتے ہیں اور ان اہم ترین مسائل میں وہ فتنہ پروری کی روش میں، باطل تاویلات کا سہارا لے کر بغیر کسی علم کے اللہ ﷻ پر جھوٹ بولتے ہیں۔

6 اہل بدعت شرعی دلائل کی تفسیر وتوضیح محض اپنی خواہشات کے مطابق کرتے ہیں، اور ان دلائل کی وضاحت کے لئے وہ دیگر شرعی دلائل یا عربی لغت کے معانی پر اعتماد نہیں کرتے۔

7 اہل بدعت ان معاملات میں دخل اندازی یا غور وخوض کی کوشش کرتے ہیں جن سے اللہ ﷻ نے منع فرمایا ہے، یعنی مسئلہ تقدیر، اللہ ﷻ کی صفات، اور سمعی دلائل [1]۔

8 اللہ ﷻ کی صفات اور عقیدہ کے دیگر مسائل میں اہل بدعت نئے نئے بدعی الفاظ کا استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ جسم، عرض اور جوہر وغیرہ۔

9 اہل بدعت کا منہج محض مناظرے، تکرار اور جھگڑوں پر قائم ہے۔

10 اہل بدعت کے ہاں اسناد کا کوئی اہتمام نہیں، کیونکہ وہ خواہشات نفسانی، عقلی آراء، موضوع روایات اور بے بنیاد حکایات پر بھروسہ کرتے ہیں۔

11 اہل بدعت اس وہم میں مبتلا ہیں کہ عقل اور نصوص شرعیہ میں تعارض ہے، اسی طرح وہ اس غلط فہمی کا شکار ہیں کہ شریعت اور حقائق ایک دوسرے سے متصادم ہیں، اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے خود ساختہ اصول اور شرعی اصولوں میں اختلاف ہے، پھر اس زعم باطل میں گرفتار ہو کر اپنی خواہشات، خود ساختہ اصول اور فاسد عقل کو شریعت پر حاکم بنا کر انہیں شریعت پر مقدم سمجھتے ہیں۔

اہل بدعت وفرقت کے عمومی طریقے ومنہج

1 اہل بدعت کا حق وباطل کو خلط ملط کر دینا۔ اہل بدعت کی اسی حالت کو بیان کرتے ہوئے ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ اہل بدعت اپنے زعم میں جن عقلیات سے کتاب وسنت کو ٹکراتے ہیں وہ درحقیقت عقلیات نہیں بلکہ جہلیات ہیں، اور یہ اہل بدعت اپنی بدعت کی بنیاد ایسے متشابہ اقوال (یعنی الفاظ وجملے) پر رکھتے ہیں جن میں ایک سے زائد معنوں کا احتمال

---

[1] سمعی دلائل سے مراد وہ دلائل ہیں جو قرآن وحدیث میں مذکور ہیں اور ان کا عقل سے تعلق نہیں ہے، مثال کے طور پر اسراء ومعراج، برزخی زندگی، مسئلہ عذاب قبر اور نعیم قبر وغیرہ۔

ہوتا ہے، اور ان قوال کے معنی ایسے متشابہ ہوتے ہیں اور ان کے الفاظ میں اتنا ابہام ہوتا ہے کہ ان اقوال سے حق و باطل دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں، تو ان اقوال میں جو معنی حق ہوتا ہے اسے پیش نظر رکھتے ہوئے بے علم لوگ اس کے متشابہ معنی کا شکار ہوجاتے ہیں اور اس کا باطل معنی بھی قبول کر لیتے ہیں،① پھر (مزید ستم یہ کہ) وہ اس باطل معنی کو انبیاء کے فرامین سے ٹکراتے ہیں، اور یہی اس گمراہی کا پیش خیمہ اور ابتدا ہے جس میں ہم سے پہلے کی امتیں گمراہ ہوئیں، اور یہی تمام بدعتوں کا نکتہ آغاز ہے، کیونکہ بدعت اگر پہلی نظر میں ہی باطل ہو تو اسے کوئی بھی قبول نہیں کرے گا، اور ہر ایک پہلی فرصت میں ہی اس کا انکار کردے گا، اور اگر وہ محض حق ہو (یعنی اس میں باطل کی آمیزش نہ ہو) تو پھر وہ بدعت نہیں ہے بلکہ وہ سنت کے موافق ہے، لیکن درحقیقت بدعت میں حق اور باطل دونوں کا اشتباہ پایا جاتا ہے، اور اس میں حق و باطل خلط ملط ہوجاتے ہیں، جیسا کہ اللہ ﷻ فرمان ہے: ﴿وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ (البقرۃ:42)، ترجمہ: "اور حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور سچی بات کو جان بوجھ کر نہ چھپاؤ"، مذکورہ آیت میں اللہ ﷻ نے حق کو باطل کے ساتھ ملانے اور حق کو چھپانے سے منع فرمایا ہے، اور ایک دوسرے کے ساتھ ملانے کا مطلب ہے کہ ان دونوں کو آپس میں اس طرح خلط ملط کردیا جائے کہ دونوں ایک دوسرے کا لبادہ اوڑھ لیں (اور ایک ہی جیسے دکھائی دینے لگیں)، اور "تلبیس" (یعنی دھوکہ دہی) کرنا بھی اسی سے ماخوذ ہے اور یہی وہ تدلیس اور دھوکہ ہے جس کا باطن کچھ اور ہوتا ہے اور ظاہر کچھ اور، اسی طرح حق کو جب باطل کے ساتھ ملادیا جاتا ہے تو ملانے والا باطل کو حق کی صورت میں ظاہر کرتا ہے، اور ایسے الفاظ کے ساتھ بیان کرتا ہے جس کے دو معنی ہوتے ہیں: ایک حق، اور دوسرا باطل، سننے والا سمجھتا ہے کہ کہنے والے کی مراد صحیح معنی ہے جبکہ کہنے والے کا مقصد درحقیقت باطل معنی بیان کرنا ہوتا ہے، یہ معاملہ تو لفظ میں ابہام کا ہوا، جہاں تک معنی میں اشتباہ (یعنی متشابہ ہونے) کا تعلق ہے تو اس لحاظ سے معنی کی دو قسمیں ہیں، ایک معنی حق ہے، دوسرا معنی باطل ہے، تو اہل بدعت اس متشابہ معنی کو بیان کرکے یہ تاثر دیتے ہیں کہ وہ حق اور صحیح معنی اختیار کررہے ہیں، جبکہ درحقیقت ان کا ارادہ باطل معنی کو اختیار کرنا ہوتا ہے۔ تو بنی آدم کی گمراہی کی بنیادی وجہ مجمل الفاظ اور متشابہ معنی ہے خصوصا جب یہ مجمل الفاظ اور متشابہ معنی نیم دیوانہ ذہن کے ہتھے لگ جائیں، اور پھر کیا حالت ہوگی جب خواہش نفس اور مذہبی تعصب بھی اس میں شامل ہوجائے!، لہذا آپ دلوں کو ثابت قدم رکھنے والے مولی ﷻ سے دعا کریں کہ وہ آپ کا دل اپنے دین پر قائم رکھے اور آپ کو ان اندھیروں میں غرق

① جیسے کچھ لوگ عشق رسول اور تعظیم اولیاء کا نام لے کر قبر پرستی اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں، بعض لوگ ائمہ ومجتہدین کے احترام کے نام پر تقلید وجمود کی راہ ہموار کرتے ہیں اور قرآن وحدیث سے اعراض کرتے ہیں۔

ہونے سے محفوظ رکھے"[1]۔

2 اہل بدعت کا یہ مذموم دعوی ہے کہ قرآن وحدیث کے نصوص ہی میں مکمل دین نہیں ہے اور نہ ہی یہ نصوص لوگوں کی زندگی کو منظم اور منضبط کرنے کے لئے کافی ہیں۔[2] اور اس دعوی میں اہل بدعت کی دو قسمیں ہیں:

- وہ لوگ جو بڑی صراحت اور وضاحت کے ساتھ یہ دعوی کرنے کی جرأت کرتے ہیں۔
- وہ لوگ جو اگرچہ بڑی صراحت کے ساتھ ایسا دعوی نہیں کرتے لیکن ان کے اقوال اور مذہب سے یہ بات لازم آتی ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اہل بدعت کی اس بات کہ" قرآن وحدیث کے نصوص میں مکمل شریعت موجود نہیں" یا پھر یہ بات کہ" قرآن وحدیث کے نصوص میں تو شریعت کا دسواں حصہ بھی مذکور نہیں" (نعوذ باللہ من ذلک) کے متعلق فرماتے ہیں:" یہ بات بعض اہل کلام اور اہل رائے جیسا کہ ابو المعالی وغیرہ نے کہی ہے، اور یہ بات سراسر غلط ہے، بلکہ صحیح بات یہ ہے کہ نصوص قرآن وحدیث میں بندوں کے تمام افعال کے متعلق احکامات موجود ہیں، اور جس شخص نے اس کا انکار کیا ہے تو اس کے انکار کی وجہ محض یہ ہے کہ وہ قرآن وحدیث کے نصوص جو کہ دراصل اللہ عزوجل اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین ہیں ان کا صحیح معنی نہیں سمجھ سکا اور نہ ہی بندوں کے جملہ افعال کے متعلق ان نصوص کا تفصیلی احکامات پر مشتمل ہونا ہی اسے نظر آیا ہے، اور اس (کج فہمی) کا سبب یہ ہے کہ اللہ عزوجل نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جوامع الکلم دے کر مبعوث فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تو ایسے جامع الفاظ ادا فرماتے جو ایک قاعدہ کلیہ کی حیثیت اختیار کر جاتے، جس قاعدہ کے تحت بے شمار مسائل آتے ہیں، اور اس طریقہ سے نصوصِ شریعت بندوں کے جملہ افعال کے تفصیلی احکامات پر محیط ہیں[3]۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" یہ بات ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے پہلے دین اور دنیا کے تمام ضروری مسائل بیان فرما دیئے تھے، اور اس بات پر اہل سنت کا اتفاق ہے، ایک طرف یہ معاملہ ہے تو (دوسری طرف) بدعتی کی زبان حال اور مقال کا ماحاصل یہ نکلتا ہے کہ شریعت مکمل نہیں، بلکہ اس میں کافی چیزیں ایسی ہیں (جو ناقص ہیں اور) جن کو مکمل کرنا یا تو واجب ہے یا کم از کم مستحب ہے، کیونکہ اگر بدعتی شریعت کو ہر لحاظ سے مکمل سمجھتا تو کوئی نیا عمل نہ کرتا یا کسی شرعی عمل میں اضافہ نہ کرتا، پس اس (شریعت کو نا مکمل سمجھنے) کا قائل صراط مستقیم سے کوسوں دور اور گمراہ ہے۔ ابن ماجشون رحمہ اللہ

---

[1] الصواعق المرسلۃ (3/926-927)

[2] اس باطل دعویٰ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو یہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن وحدیث کے نصوص میں مکمل دین موجود نہیں ہے بلکہ اگر ائمہ نہ ہوتے اور فقہ نہ ہوتی تو دین ناقص ہوتا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ فقہ دراصل قرآن وحدیث کے نصوص کے فہم کا نام ہے، بغیر قرآن وحدیث کے فقہ کا کوئی وجود نہیں اور یہ دعویٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت رسالت پر بہت بڑا اعتراض ہے بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فہم اور سلف صالحین کے منہج پر بھی الزام ہے، یہ دعویٰ کوئی دین سے نابلد اور جاہل شخص تو کر سکتا ہے لیکن کوئی حقیقی عالم ایسی بات کرنا تو دور، سوچ بھی نہیں سکتا۔

[3] مجموع الفتاوی (19/280)

فرماتے ہیں: "میں نے امام مالک کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: "جس نے دین اسلام میں کوئی بدعت ایجاد کی اور اسے اچھا سمجھا تو اس نے یہ گمان کیا کہ (نعوذ باللہ) نبی ﷺ نے امانت رسالت میں خیانت کی ہے، اس لئے کہ اللہ ﷻ نے فرمایا ہے: {اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ} (المائدۃ:3)، ترجمہ: "آج کے دن میں نے تم پر تمہارا دین مکمل کر دیا ہے"، تو جو عمل اور عقیدہ اس دن دین نہیں تھا وہ آج بھی دین نہیں ہو سکتا"[1]۔

3 اہل بدعت وحی کو اپنے خود ساختہ قواعد کے ذریعہ رد کرتے ہیں، امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تیسری بات: بدعتی ہمیشہ شریعت کا مخالف اور کجروی اختیار کرنے والا ہوتا ہے، کیونکہ اللہ ﷻ نے بندے کی ضروریات پوری کرنے لئے خاص طریقہ کار اور مخصوص راستے معین فرما دئے ہیں، اور اپنے اوامر ونواہی اور وعدہ وعید کے ذریعہ مخلوق کو حد بندیوں سے آگاہ فرما دیا ہے، اور ہمیں خبردار کر دیا ہے کہ انہی حد بندیوں میں رہنے میں خیر ہے اور ان سے تجاوز کرنے میں شر ہے، کیونکہ اللہ ﷻ جانتا ہے اور ہم نہیں جانتے، اور اسی نے رسول ﷺ کو رحمت للعالمین بنا کر بھیجا ہے، لیکن بدعتی ان حد بندیوں سے انکاری ہے اور اس کا گمان ہے کہ اللہ ﷻ کے ذکر کردہ راستہ کے علاوہ اور بھی کئی راستے ہیں"[2]۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وحی الٰہی کو اپنی عقل کی بناء پر رد کرنے والے ان مجرموں نے چار بڑے جرائم کئے ہیں: (1) انہوں نے انبیاء علیہم السلام کے فرامین کو ٹھکرایا۔ (2) وحی الٰہی کے متعلق سوء ظنی کا شکار ہوئے اور اسے عقل کے منافی اور متضاد قرار دیا۔ (3) انہوں نے کتاب وسنت کے ایسے فرامین کو جو عقل کے بالکل موافق ہیں انہیں عقل کے مخالف جان کر رد کر کے عقل پر بھی ظلم کیا، جبکہ ان فرامین کی عقل سے موافقت اس کی مخالفت کی نسبت زیادہ واضح ہے۔ (4) انہوں نے اپنے من گھڑت اصولوں اور بدعتی من تراشیوں کے ہر مخالف کو یا تو کافر ٹھہرایا یا پھر بدعتی اور گمراہ قرار دیا، جبکہ درحقیقت ان کے یہ خود ساختہ اصول عقل اور شریعت دونوں ہی کے منافی ہیں، اور پھر ہر وہ شخص راہ راست پر قرار پایا جو عقل وشریعت کے مخالف رائے کو اپنائے، اور ہر وہ شخص گمراہ ٹھہرا جو عقل وشریعت کی موافق رائے کو اختیار کرے، اور یہ انداز سخن اسی کو بھاتا ہے جسے اللہ ﷻ نے نور بصیرت سے محروم رکھا ہو، اور فرامین نبوی ﷺ کی نورانی شعاعوں سے اس کا دل فیضیاب نہ ہوا ہو"[3]۔

4 دشمنان اسلام کے لئے دین اسلام میں شبہات ڈالنے کے دروازے وا کرنا۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان (اہل بدعت) لوگوں کو محض اس بات سے تسلی نہ ہوئی کہ انہوں نے اللہ ﷻ کی صفات کا انکار کر کے دشمنان اسلام کی

---

[1] الاعتصام للشاطبی (1/49)

[2] الاعتصام (1/49)

[3] الصواعق المرسلۃ (2/988-999)

موافقت کے ساتھ ساتھ ان پر رد کرنے کے دروازے اپنے اوپر بند کر لئے، بلکہ یہ اس حد تک آگے بڑھ گئے کہ انہوں نے (اپنے خود ساختہ اصول بنا کر) دشمنان اسلام کے لئے قرآن وسنت کی مخالفت کے دروازے اور راستے کھول دیئے، پھر یہ معاندین اسلام انہی (اہل بدعت) کے دروازے سے داخل ہوئے اور انہی کے تیار کردہ راستے پر چل کر ان (اہل بدعت) کے ساتھ مل کر وحی کی مخالفت میں ایک ہی لشکر کی صورت اختیار کر گئے، اور ان سب کے سب نے ایک ہی دعوی کیا کہ "عقل وحی کے مخالف ہے"، لہذا اہل باطل پر رد اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ خود اس شخص میں سنت کی مکمل اتباع نہ ہو، ورنہ اگر کوئی شخص ایک پہلو سے سنت کی موافقت کرے اور دوسرے پہلو سے سنت کی مخالفت کرے تو اس کے مخالفین (اہل باطل) اس کے سنت کی مخالفت والے پہلو کو بنیاد بنا کر اس کا رد کریں گے، اور جو شخص اہل باطل کے ان عمومی دلائل کا جائزہ لے جو وہ اہل حق کے خلاف دیتے ہیں تو وہ با آسانی یہ جان سکتا ہے کہ یہ دلائل اس شخص کے خلاف زیادہ قوی اور موثر ہیں جس نے کتاب اللہ اور پیغام رسالت میں موجود حق سے ذرا سی بھی روگردانی کی ہو، اور حق کے جس پہلو سے وہ روگردانی کرتا ہے وہ اس کے خلاف اہل باطل کی سب سے بڑی دلیل بن جاتی ہے، اور آپ اہل کلام کی اکثریت کا یہی طرز عمل پائیں گے کہ وہ کبھی اہل باطل کے ساتھ ہوں گے اور کبھی اہل حق کے ساتھ ہوں گے، اور حق و باطل کے درمیان ان کا یہی تذبذب اہل باطل کے لئے دلیل بن جاتا ہے اور وہ ان اہل کلام پر حاوی ہوجاتے ہیں، لیکن الحمد للہ اہل باطل کے پاس ایسے شخص کے خلاف کوئی راستہ نہیں بچتا جو ہر لحاظ سے سنت نبوی ﷺ کی اتباع کرے اور اس سے روگردانی نہ کرے، لیکن اگر وہ ایک انچ کے برابر بھی سنت سے باہر نکلتا ہے تو اہل باطل اس انچ کے بقدر اس پر حاوی ہوجاتے ہیں، لہذا سنت نبوی ﷺ ایک مضبوط قلعہ ہے، جو اس قلعہ میں داخل ہوگیا وہ محفوظ ہے، اور اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ (الانفال:33) ترجمہ: "اور اللہ تعالیٰ ایسا نہ کرے گا کہ ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ان کو عذاب دے"، اور سنت نبوی ﷺ ہی درحقیقت وہ صراط مستقیم ہے کہ جو اس پر چلے گا وہ اللہ ﷻ تک ضرور پہنچے گا، اور یہی وہ واضح دلیل ہے کہ جس نے اس سے حجت پکڑی وہی ہدایت یافتہ ہے، تو جو شخص اہل باطل کی کسی بات پر بھی موافقت اختیار کرتا ہے، اہل باطل اس کی اس موافقت کے ذریعہ اسے گھسیٹ کر اپنے باطل کی طرف لے جاتے ہیں، اس کی بعض اہل علم نے ایسی مثال بیان کی ہے جو مکمل طور پر اس بات پر منطبق ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں کہ: حق کی مثال ایک بڑی سیدھی شاہراہ کی مانند ہے، اور اس شاہراہ کے دونوں جانب لٹیرے اور چور ہیں، اور ان چوروں کے ساتھ راہزن عورتیں بھی ہیں جنہیں ان چوروں نے زیورات پہنا کر دیکھنے والوں کے لئے بڑا خوبصورت تیار کیا ہوا ہے، جب آدمی اس راستہ سے گزرتا ہے تو یہ عورتیں اسے اپنی طرف لبھاتی ہیں، پھر اگر وہ ان کی طرف مائل ہوتا ہے تو وہ عورتیں اس سے بات کرنے کی کوشش کرتی ہیں، اگر وہ ان کی باتوں کا جواب دیتا ہے تو یہ عورتیں اسے (پھنسا کر) جائے مقتل کی طرف کھینچ لیتی ہیں، اور موت اسے اس حال میں دبوچتی

ہے کہ وہ ان لٹیروں کا قیدی ہوتا ہے۔تو جو شخص خود کسی قوم کی قید میں بے بس ہو اور اس کے اسلحہ کے زیر نگیں ہو وہ کیسے اس قوم کے خلاف لڑسکتا ہے؟!، بلکہ یہ شخص تو ان لٹیروں کا مددگار رہے گا، اور خود بھی انہی کی طرح چور اچکا بن جائے گا، اس مثال کی حقیقت وہی شخص جان سکتا ہے جو صراط مستقیم سے واقف ہو، اور ان راستہ کے کناروں پر کھڑے لٹیروں اور ان کی چالوں سے بخوبی واقف ہو، اور اس معرفت کی توفیق اور مدد اللہ ہی سے حاصل ہوتی ہے [1]۔

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "لہذا جو شخص ان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے دین نہ لے تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے" اس سے یہ ہمیں یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ متبع سنت کا سب سے بڑا امتیاز اور خصوصیت جس کی بنیاد پر وہ دوسروں سے نمایاں ہوتا ہے وہ اس کے حصول علم کے ذرائع ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کے قول: "تو وہ گمراہ اور بدعتی ہے" سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ بدعت اور گمراہی کے درمیان لازم وملزوم کی نسبت ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ بدعت اور تفرقہ بازی ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم ہیں۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ فرمان: "ہر بدعت گمراہی ہے"، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث مبارکہ سے ماخوذ ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہر بدعت گمراہی ہے"۔

قال رحمه الله تعالى:" وقال عمر بن الخطاب رضي الله عنه: لا عذر لأحد في ضلالة ركبها حسبها هدى، ولا في هدى تركه حسبه ضلالة، فقد بينت الأمور، وثبتت الحجة، وانقطع العذر".

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اب کسی کے لئے عذر نہیں رہتا کہ اس نے جس گمراہی کو اختیار کر رکھا ہے اسے ہدایت سمجھے یا جس ہدایت کو اس نے چھوڑ رکھا ہے اسے گمراہی خیال کرے، کیونکہ اب تمام معاملات بالکل واضح کر دیئے گئے ہیں، حجت قائم ہو چکی ہے، اور تمام اعذار منقطع ہو چکے ہیں"۔

اہل بدعت کی خوش فہمیاں اور لغو اعذار

شرح اور وضاحت

عمر رضی اللہ عنہ سے منقول اس اثر کی سند اگرچہ منقطع ہے لیکن اس سے ملتے جلتے الفاظ میں یہ قول جناب عمر رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے۔ صحیح بخاری میں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا یہ قول مروی ہے کہ: "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کا مؤاخذہ وحی کی بنیاد پر ہوتا تھا، اور اب وحی منقطع ہو چکی ہے، لہذا اب ہم لوگوں کا ان کے ظاہری اعمال کی بنیاد پر مؤاخذہ کریں گے، لہذا جن کے ظاہری اعمال ہمارے سامنے خیر کے ہوں گے ہم ان سے مطمئن ہوں گے، اور انہیں اپنے قریب کریں گے، اور ان کے پوشیدہ اعمال سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، ان کے پوشیدہ اعمال کا محاسبہ اللہ تعالیٰ ہی فرمائے گا، اور جس کے ظاہری اعمال برے ہوئے تو ہم اس سے مطمئن نہیں ہوں گے اور ہم اسے سچا نہیں مانیں گے چاہے وہ کتنا ہی کہتا رہے کہ اس کے پوشیدہ اعمال بہت اچھے ہیں"۔

مؤلف رحمہ اللہ کے مذکورہ بالا الفاظ سے ذکر کردہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کی شرح

اس اثر کے تحت منہج سے متعلق انتہائی اہم مسائل مندرج ہوتے ہیں:

(پہلا مسئلہ) اس اثر سے ایک مشہور قاعدہ کا بطلان ہوتا ہے جو ایسی جماعتوں کے ہاں معروف ہے جن جماعتوں کی دعوت کی بنیاد کتاب وسنت اور آثار سلف صالحین کے علم پر مبنی نہیں ہے۔ اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ: "جن دینی معاملات پر ہمارا اتفاق ہو ان پر ہم اکٹھے ہو جائیں گے اور جن دینی معاملات میں ہمارا اختلاف ہو اس میں ہم ایک دوسرے کے لئے عذر تراش لیں گے (اور اختلاف کو نظر انداز کریں گے)"۔

یہ قاعدہ قرآن وسنت اور آثار سلف سے ہر لحاظ سے متصادم ہے، قرآن سے اس کا ٹکراؤ یوں ہے کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ (المائدۃ:79) ترجمہ: "(اور اس لعنت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ) وہ جو برا کام کرتے تھے ایک دوسرے کو اس سے منع نہیں کرتے تھے۔ بیشک وہ کام برے تھے جنہیں وہ انجام دیتے تھے"۔ اور اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ (المائدۃ:63) ترجمہ: " بھلا ان کے مشائخ اور علماء انہیں گناہ کی باتوں اور حرام کھانے سے منع کیوں نہیں کرتے؟ بلاشبہ برا ہے جو وہ کرتے ہیں"۔

سنت سے بھی یہ قاعدہ متصادم ہے کیونکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روکے، اگر اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو تو اپنی زبان سے روکے اگر اس کی بھی استطاعت نہ رکھے تو اس کو اپنے دل میں برا جانے اور یہ ایمان کا سب سے کم ترین درجہ ہے"۔ اور جہاں تک سلف صالحین کے آثار کا تعلق ہے تو عمر رضی اللہ عنہ کا مذکورہ اثر اس حوالہ سے ہمارے لئے کافی ہے۔

اختلاف محمود اور اختلاف مذموم

شریعت کی نظر میں جو اختلاف مذموم ہے وہ یہ ہے کہ عقیدہ اور منہج میں سلف صالحین کی مخالفت کرنا، جہاں تک اہل علم کا آپس میں احکام ومسائل میں اختلاف ہے جیسا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں بھی بعض مسائل میں اختلاف رہا تو یہ اختلاف قطعاً مذموم نہیں ہے، بلکہ اس پر تو نبی ﷺ کا وہ فرمان صادق آتا ہے جو آپ ﷺ نے حاکم کے بارے میں فرمایا کہ: "اگر وہ اجتہاد کرتا ہے اور درست اجتہاد کرتا ہے تو اس کے لئے دو اجر ہیں اور اگر اس کے اجتہاد میں غلطی ہوتی ہے تو اس کے لئے ایک اجر ہے"①۔

اور ایسا بھی نہیں ہے کہ سلف صالحین کے ہر مخالف پر گمراہی کا حکم لگا دیا جائے، کیونکہ شریعت الٰہیہ کی مخالفت کبھی تو کفر کے درجہ تک پہنچ جاتی ہے، کبھی فسق اور گناہ کے درجہ تک ہوتی ہے اور کبھی صرف خطا اور غلطی کے درجہ تک محدود رہتی ہے، اور غلطی کے درجہ پر اس شخص کی مخالفت ہے جس کے نزدیک وہ اصول قابل احترام ولائق تعظیم ہوں جن اصولوں پر صحابہ رضی اللہ عنہم قائم تھے، لیکن اپنے اجتہاد کی بنیاد پر وہ سلف صالحین کی مخالفت کر بیٹھے، اور اس اجتہاد میں کسی کتاب یا شیخ سے متاثر ہو کر اس سے غلطی سرزد ہوئی ہو، اور ہماری یہ بات اس شخص کے بارے میں ہے جو فوت ہو چکا ہو، جہاں تک وہ شخص ہے جو ابھی حیات ہو (اور کسی مسئلہ میں سلف صالحین کی مخالفت کر رہا ہو) تو اس کا فتنہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہنوز برقرار ہے، اور جو

---

① صحیح بخاری (کتاب الاعتصام،6919)

حضرات فوت ہو چکے ہیں (اور ان سے کسی مسئلہ میں سلف صالحین کی مخالفت سرزد ہوئی ہے لیکن وہ غلطی کے درجہ تک ہی ہیں) ان میں امام نووی رحمہ اللہ، امام ابن حجر رحمہ اللہ ہیں اور سلف صالحین کے زمانہ میں سے امام مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ ہیں جنہوں نے بعض صفات میں تاویل کی، تو ان حضرات کی سچائی، امت کے لئے ان کی خیر خواہی اور ان حضرات کا صحابہ رضی اللہ عنہم کے اصولوں کی تعظیم کرنا علماء امت کے ہاں معروف ہے۔

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا: (رکبھا) " وہ اس گمراہی کو ہدایت سمجھ کر اس کا ارتکاب کرلے"، اس میں ایسے اجتہاد کی جانب اشارہ ہے جس میں سنت کی مخالفت کی گئی ہے، اسی کے متعلق شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " لیکن اہل کلام کی پیروی، کمزور گمان پر مبنی رائے، اور خواہشاتِ نفس کی اتباع انسان کا مقام گھٹا کر اس حد تک لے آتی ہے جس کا وہ مستحق ہوتا ہے، چاہے اس طریقہ پر اس کے اجتہادات کا کوئی ثانی نہ ہو، کیونکہ مقام فضیلت کثرت اجتہاد میں نہیں بلکہ ہدایت اور سیدھی راہ کی اتباع میں ہے، جیسا کہ سلف صالحین سے ایک اثر منقول ہے کہ: " بدعتی جتنا زیادہ اجتہاد کرتا ہے اتنا ہی وہ اللہ عزوجل سے دور ہوتا جاتا ہے"[1]، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا خوارج کے متعلق فرمان ہے: " تم میں سے ایک اپنی نماز کو ان کی نماز کے سامنے حقیر سمجھے گا، اپنے روزہ کو ان کے روزہ کے سامنے حقیر سمجھے گا، اور اپنی قراءت کو ان کی قراءت کے سامنے حقیر جانے گا، (جبکہ) وہ قرآن تو پڑھیں گے لیکن وہ قرآن ان کے حلق سے اوپر نہیں جائے گا، وہ اسلام سے یوں نکل جائیں گے جیسے تیر شکار میں سے گزر جاتا ہے"۔ اور اہل بدعت مثلاً رافضہ، قدریہ اور جہمیہ وغیرہ کے ہاں ایسے اجتہاد بکثرت پائے جاتے ہیں جن کا اہل سنت کے ہاں کوئی وجود نہیں، نہ علم میں نہ عمل میں، اسی طرح اہل کتاب اور مشرکین کے ہاں ایسے بے تکے اجتہادات کا ایک ڈھیر ہے (جو اہل اسلام میں نہیں پائے جاتے) لیکن شریعت کا اصل مطلوب " احسن " اجتہاد ہے، جیسا کہ فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے اللہ عزوجل کے اس فرمان: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملک: 2) ترجمہ: " تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون احسن عمل کرتا ہے"، کے متعلق فرمایا: " احسن عمل سے مراد ہے سب سے خالص اور سب سے درست"، تو پوچھا گیا کہ: " ابو علی، سب سے خالص اور سب سے درست سے کیا مراد ہے؟" فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے فرمایا: " عمل اگر خالص ہوگا درست نہیں ہوگا تو قبول نہیں ہوگا، اور اگر درست ہوگا لیکن خالص نہیں ہوگا تو بھی قبول نہیں ہوگا، جب تک کہ وہ سب سے خالص اور سب سے درست نہ ہو جائے، اور خالص ہونے کا مطلب ہے کہ وہ عمل صرف اور صرف اللہ عزوجل کے لئے کیا جائے، اور درست ہونے کا مطلب ہے کہ وہ عمل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ہو"[2]۔

---

[1] الحلية لأبي نعيم (3/9)

[2] التسعينية لابن تيمية (962)

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا: "حسبها هدى" "وہ اس گمراہی کو ہدایت سمجھے"۔ غالباً انہوں نے اس بات کو اللہ ﷻ کے اس فرمان سے اخذ کیا ہے: ﴿وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ﴾ (الاعراف:30) ترجمہ: "اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں"۔ اور اسی طرح اللہ ﷻ کے اس فرمان سے بھی کہ: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۝ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ (الکھف:103، 104)

ترجمہ: "آپ ان سے کہیۓ: "کیا ہم تمہیں بتائیں کہ لوگوں میں اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے کون ہیں؟۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی تمام تر کوششیں دنیا کی زندگی کے لئے ہی کھپا دیں پھر وہ یہ بھی سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں"۔

گمراہی کے حامل شخص کی گمراہی کی وضاحت، صحیح منہج کی وضاحت ہے

(دوسرا مسئلہ) عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس اثر سے اس جدید قاعدہ کا رد ہوجاتا ہے جس قاعدہ کا مقصد عقیدہ وسنت کے مخالفین پر رد کرنے سے روکنا ہے①، کیونکہ رد کرنے کا مقصد کسی کی شخصیت پر رد کرنا نہیں ہوتا بلکہ اس کے ذریعہ دراصل اللہ ﷻ کے راستہ، شریعت اور منہج کی پاکیزگی مقصود ہوتی ہے۔ قرآن وحدیث سے اس حوالہ سے چند دلائل آپ کے پیش خدمت ہیں۔

کتاب اللہ سے دلائل

فرمان الٰہی ہے: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۔ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا﴾ (الکھف:103، 104) ترجمہ: "آپ ان سے کہیۓ: "کیا ہم تمہیں بتائیں کہ لوگوں میں اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان اٹھانے والے کون ہیں؟۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنی تمام تر کوشش دنیا کی زندگی کے لئے ہی کھپا دیں پھر وہ یہ بھی سمجھے بیٹھے ہیں کہ وہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں"۔

اور اللہ ﷻ کا فرمان مبارک ہے: ﴿وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِندَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنتُم مِّن قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا﴾ (النساء:94) ترجمہ: "اگر کوئی شخص تمہیں سلام کہے تو اسے یہ نہ کہا کرو کہ تم تو مومن نہیں بلکہ اس کی تحقیق کرلیا کرو۔ اگر تم دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو تو اللہ کے ہاں

---

① مؤلف رحمہ اللہ کی مراد وہ اصول اور قاعدہ ہے جس پر آج کل کی اکثر دینی جماعتیں عمل پیرا ہیں، کہ کسی کو چھیڑو نہیں اور اپنے دین کو چھوڑو نہیں، یعنی کسی کے عقیدہ، فکر اور عمل کو برا مت کہو چاہے وہ عقیدہ یا عمل کتاب وسنت سے کتنا ہی برعکس ومخالف کیوں نہ ہو، جبکہ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے مذکورہ اثر میں یہ بات واضح کردی ہے کہ اگر کوئی شخص گمراہی پر ہوگا چاہے وہ اس گمراہی کو ہدایت ہی کیوں نہ سمجھ رہا ہو ہم اس کا مؤاخذہ ضرور کریں گے اور اس کی اس بدعقیدگی وبدعملی کو یوں ہی برقرار نہیں رہنے دیں گے۔ (مترجم)

بہت سے اموال غنیمت ہیں۔اس سے پہلے تمہاری اپنی بھی یہی صورت حال تھی۔پھر اللہ نے تم پر احسان کیا،لہذا تحقیق ضرور کرلیا کرو"۔

فرمان الٰہی ہے:﴿مِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الدُّنۡيَا وَمِنۡكُمۡ مَّنۡ يُّرِيۡدُ الۡاٰخِرَةَ﴾ (آل عمران:152)،ترجمہ:"تم میں سے کچھ تو وہ تھے جو دنیا چاہتے تھے اور کچھ آخرت چاہتے تھے"۔

اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿وَفِيۡكُمۡ سَمّٰعُوۡنَ لَهُمۡ﴾ (التوبہ:47)،ترجمہ:"اور تم میں انکے جاسوس بھی ہیں"[1]۔

سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دلائل

صحیح بخاری میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"میرا نہیں خیال کہ فلاں اور فلاں ہمارے دین کی کچھ معرفت رکھتے ہیں"۔لیث بن سعد جو کہ اس حدیث کے ایک راوی ہیں فرماتے ہیں:"یہ دونوں افراد منافقین میں سے تھے"[2]۔

حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں کہ:"عنوان باب کا خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دو افراد کے بارے میں جو گمان تھا یہ اس بدگمانی میں سے نہیں ہے جس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے، کیونکہ یہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو افراد سے صحابہ کرام کو متنبہ فرمارہے تھے، کہ کہیں تمہارا بھی ان جیسا حال نہ ہوجائے، جبکہ بدگمانی تو اس شخص کے متعلق منع ہے جس کا دین اور عزت سلامت ہو"[3]۔

فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ:میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور میں نے کہا:"ابوجہم رضی اللہ عنہ اور معاویہ رضی اللہ عنہ نے مجھے نکاح کا پیغام بھیجا ہے"،تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:"معاویہ مفلس ہے اس کے پاس مال نہیں،اور ابوجہم تو اپنی لاٹھی کندھے سے اتارتا ہی نہیں ہے"،اور ایک روایت ہے کہ:"وہ تو عورتوں کو بہت زیادہ مارتا ہے"[4]۔

اور یہ بات ہم جانتے ہیں کہ یہ دونوں صحابی نیک وصالح ہیں،اور ان کی دین داری میں کوئی شک نہیں ہے،اور ان کے بہت سے فضائل ومحاسن ہیں،لیکن اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات اس لئے فرمائی کہ یہ مقام نصیحت ومشورہ ہے، اور ایسے مقام پر جتنا مشورہ درکار ہوتا ہے اتنی ہی بات کی جاتی ہے اور فضائل ومحاسن نہیں گنوائے جاتے، کیونکہ فضائل ومناقب شمار کرانے سے پیچیدگی پیدا ہوتی ہے اور جو کوتاہی موجود ہے وہ چھوٹی لگتی ہے،اور ممکن ہے کہ سائل صرف محاسن ہی کو

---

[1] مذکورہ آیات سے مؤلف ﷾ کی بات کی تائید واضح ہے، پہلی آیت میں ان افراد پر رد ہے جو خود ساختہ اعمال انجام دیتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں، جبکہ دیگر تین آیات میں صحابہ کرام کو خاص طور پر اور دیگر مومنین کو انکی چند کوتاہیوں پر سرزنش کی جارہی ہے اور ان کی غلطیوں اور کوتاہیوں سے انہیں آگاہ کیا جارہا ہے۔

[2] صحیح بخاری (کتاب الادب،5720)

[3] فتح الباری شرح صحیح بخاری (10/485)

[4] صحیح مسلم (کتاب الطلاق:1480)

قبول کر لے اور غلطیوں سے صرف نظر کرے، اور اس طرح وہ اصل (مقصد) ہی ضائع ہو جاتا ہے جس کے لئے (کسی پر) رد اور (اندرونی معاملہ کا) بیان جائز کیا گیا ہے [1]۔

عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے فرماتی ہیں کہ ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی بیوی ہند رضی اللہ عنہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور فرمانے لگیں: ابو سفیان رضی اللہ عنہ کی طبیعت میں کچھ بخیلی ہے، وہ مجھے اتنا خرچہ نہیں دیتا جو میرے اور میرے بچے کے لئے کافی ہو، جب تک کہ میں ان کی لاعلمی میں ان کے مال سے کچھ نہ لے لوں، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تمہارا اور تمہارے بچے کا جو مناسب خرچہ ہو اتنا لے لیا کرو" [2]۔ اس حوالہ سے اور بھی بہت سے نصوص ہیں، جن کے مقابلہ میں ذکر کردہ دلائل تو محض سمندر کے چند قطرے ہیں۔

کتب الجرح والتعدیل سے دلائل

جہاں تک کتب جرح وتعدیل کی بات ہے تو وہ تو اس قسم کی مثالوں سے بھری پڑی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

1. ابراہیم بن یزید نخعی: ان کے متعلق امام شعبہ فرماتے ہیں: "یہ مسروق رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں لیکن انہوں (ابراہیم نخعی) نے ان سے کوئی روایت سنی نہیں ہے"۔ اور امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ان کی عربی بہت قوی نہیں تھی اور وہ کبھی کبھار اس میں غلطی کر جاتے تھے، اور محدثین نے ان کے اس قول پر بھی سخت اعتراض کیا ہے جو انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کہا تھا کہ: ابو ہریرہ فقیہ نہیں تھے" [3]۔

اب کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ابراہیم بن یزید نخعی رحمہ اللہ جو کہ درحقیقت ایک بلند پایہ عالم دین ہیں، ان کی کوئی خوبیاں ہی نہیں ہیں، یا ان کا شمار اہل فضل میں سے نہیں ہوتا؟ یقیناً ایسا نہیں ہے لیکن (امام شعبہ رحمہ اللہ اور امام ذہبی رحمہ اللہ ان کی جو خامیاں بیان کر رہے ہیں تو) یہاں پر مقام ہی اس بات کا متقاضی ہے کہ صرف راوی کی خامی اور ضعف پر ہی گفتگو کی جائے، اس کے علاوہ (محاسن یا فضائل) پر نہیں۔

2. شعیب بن میمون واسطی، صاحب نیروز: ان کے متعلق ابو حاتم رازی فرماتے ہیں: "یہ مجہول ہیں"، امام بخاری فرماتے ہیں: ان میں ضعف پایا جاتا ہے"، ابن حبان فرماتے ہیں: "یہ مشہور راویوں سے منکر روایت بیان کرتے ہیں"، اور ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "یہ حدیث میں ضعیف ہیں، البتہ بہت عبادت گزار ہیں" [4]۔

---

[1] مؤلف حفظہ اللہ کے آخری جملہ کا مقصود یہ ہے کہ مشورہ ونصیحت ان چند معاملات میں سے ہیں جس میں کسی شخص کی غیر موجودگی میں اس کی خامیاں بیان کی جاسکتی ہیں، اگر مشورہ دینے والا جس کے متعلق مشورہ دے رہا ہے اس کی خامیوں سے صرف نظر کرے گا، تو مشورہ دینے کا مقصد ہی فوت ہو جائے گا۔

[2] صحیح بخاری (کتاب النفقات: 5049)

[3] میزان الاعتدال (1/84)

[4] تہذیب التہذیب: (905/2)

پھر کتب جرح وتعدیل کے بعد ایسی کتب منظر عام پر آئیں جن میں علماء نے راویوں کے حوالہ سے اپنے مشائخ سے سوالات کئے اور انہیں درج کیا، ابو عبید آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں نے امام ابوداود رحمہ اللہ سے عبدالرحمن بن عبداللہ العمری کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا: "اس کی حدیث کو نہیں لکھنا چاہئے"، اور (ابو عبید) فرماتے ہیں: میں نے امام ابو داود رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ: خالد بن عمرو سعیدی کا روایت حدیث میں کوئی مقام نہیں"۔ اور ابو عبید فرماتے ہیں: میں نے امام ابوداود رحمہ اللہ سے عبدالقدوس شامی کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: "اس کا روایت حدیث میں کوئی مقام نہیں، اور اس کا بیٹا اس سے بھی گیا گزرا ہے"۔

علماء ومحدثین کی ان راویوں پر تنقید محض ایک دینی جذبہ کے تحت تھی جس کا تقاضا یہ ہے کہ ان راویوں کو (روایت حدیث کے حوالہ سے) اسی مقام پر رکھا جائے جو ان کے لائق ہے، اور یہ تنقید محض اقرار حق، امت کی خیر خواہی اور دین قویم کی حمیت میں کی گئی ہے، اور اس حق گوئی میں یہ علماء کسی معترض کی ملامت کو خاطر میں نہیں لائے، جبکہ مجروحین (جن پر تنقید کی گئی ہے) دیندار اور اہل فضل تھے (اس کے باوجود روایت حدیث میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی تا کہ حق وباطل میں تمیز ہوجائے)، اور اگر کوئی شخص کتب تاریخ وسیرت کے اوراق پلٹے تو وہ ان مجروحین کے بھی ایسے ایسے عالی قدر اوصاف کی بھرمار پائے گا جن سے عصر حاضر کے (عقیدہ وحدیث کے) مخالفین کے اخلاق یتیمی کا ماتم کررہے ہوں گے۔

ہماری اس گفتگو سے ہرگز بھی یہ اخذ نہ کیا جائے کہ ہم اہل بدعت اور گناہگار مسلمانوں کی نیکیوں کو بیکار و بے ثمر قرار دے رہے ہیں، جیسا کہ بعض لوگ (یہی مطلب اخذ کرکے) اچھل کود کرتے ہیں اور منہج سلف صالحین پر گامزن داعیان اسلام پر زبردستی اس معنی کو تھوپنے کی کوشش کرتے ہیں، بلکہ ہم تو اس بات کے قائل ہیں کہ ان اہل بدعت کی نمازیں، ان کے روزے، زکوۃ، حج، اور دیگر نیک اعمال سے ان کو فائدہ ضرور پہنچے گا، اور روز قیامت ان کا معاملہ اللہ عزوجل کے سپرد ہے، البتہ داعی حق پر یہ لازم ہے کہ وہ لوگوں کو ان کی بدعت اور غلطیوں سے متنبہ کرتا رہے۔

قال رحمه الله تعالى:" وذلك أن السنة والجماعة قد أحكما أمر الدين كله، وتبين للناس، فعلى الناس الاتباع ".

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے یہ بات اس لئے فرمائی کیونکہ سنت اور جماعت (صحابہ) نے دین کو مکمل اور کھول کر بیان کردیا ہے، اور یہ دین لوگوں کے سامنے اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ واضح ہو چکا ہے، اب معاملہ فقط یہ ہے کہ لوگ اس دین کی اتباع کریں"۔

منہج صحابہ واضح ہے، اوراس سے انحراف گمراہی ہے

شرح ووضاحت

جیسا کہ پہلے یہ بات گزر چکی ہے کہ خالص اسلام وہی ہے جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ عمل پیرا رہے، اور وہی وہ دین ہے جسے اللہ ذوالجلال نے اپنے بندوں کے لئے پسند فرمایا ہے، اور اس کے سوا کوئی دین بھی بارگاہ الٰہی میں مقبول نہیں ہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے:﴿وَمَنۡ يُّشَاقِقِ الرَّسُوۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الۡهُدٰى وَيَتَّبِعۡ غَيۡرَ سَبِيۡلِ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصۡلِهٖ جَهَنَّمَ‌ؕ وَسَآءَتۡ مَصِيۡرًا﴾ ترجمہ:" مگر جو شخص راہ راست کے واضح ہو جانے کے بعد رسول کی مخالفت کرے اور مومنوں کی راہ چھوڑ کر کوئی اور راہ اختیار کرے تو ہم اسے ادھر ہی پھیر دیتے ہیں جدھر کا خود اس نے رخ کر لیا ہے، پھر ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو بہت برا ٹھکانہ ہے"۔ اللہ عزوجل نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کردہ دین کی اتباع کرنے کا حکم دیا ہے، اللہ عزوجل کا فرمان ہے :﴿اِتَّبِعُوۡا مَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكُمۡ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ وَلَا تَتَّبِعُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِيَآءَ‌ ؕ قَلِيۡلًا مَّا تَذَكَّرُوۡنَ﴾ ترجمہ:" (لوگو) جو کچھ تمہاری طرف تمہارے پروردگار سے نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو۔ اس کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو۔ تھوڑے ہی تم نصیحت مانتے ہو"۔

قال رحمه الله تعالى:" واعلم رحمك الله أن الدين إنما جاء من قبل الله تبارك وتعالى، لم يوضع على عقول الرجال وآرائهم، وعلمه عند الله وعند رسوله، فلا تتبع شيئاً بهواك، فتمرق من الدين فتخرج من الإسلام، فإنه لا حجة لك، فقد بين رسول الله صلى الله عليه وسلم لأمته السنة وأوضحها لأصحابه وهم الجماعة، وهم السواد الأعظم، والسواد الأعظم الحق وأهله"

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" جان لیجئے، اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے کہ دین محض وہی ہے جو اللہ تبارک وتعالی کی جانب سے نازل ہوا ہے، اور یہ دین لوگوں کی عقلوں اور رائے پر پیش نہیں کیا گیا (بلکہ صرف وحی الٰہی ہے)، اور اس کا علم اللہ عزوجل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس ہے، لہذا اپنی خواہشات کے دھارے پر بہہ کر کسی اور کی اتباع میں مشغول نہ ہو جانا ورنہ دین سے تعلق ختم ہو جائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہو جاؤ گے، اور تمہارا دامن بھی ہر قسم کی دلیل سے خالی ہوگا، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی سنت مطہرہ کو اپنی امت کے لئے بیان فرما دیا ہے اور (سب سے پہلے) اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے لئے اس کی وضاحت فرما دی ہے، اور یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہی اصل جماعت اور وہ سواد اعظم ہیں جو حق پر قائم ہیں اور اس کے اہل ہیں۔

اہل حق ہی قابل اتباع اور سواد اعظم ہیں

شرح ووضاحت

مؤلف رحمہ اللہ بیان فرما رہے ہیں کہ اللہ عزوجل نے اس دین کو ہر طرح سے کامل ومکمل فرما دیا ہے، عقائد، عبادات، احکام ومعاملات اور آداب واخلاق، ان تمام موضوعات میں دین مکمل ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿ٱلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ ٱلْإِسْلَـٰمَ دِينًا﴾ (المائدہ3) ترجمہ:" آج کے دن میں نے تمہارا دین تمہارے لیے مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے بحیثیت دین، اسلام کو پسند کر لیا ہے"۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے اس وقت تک کوچ نہیں کر گئے جب تک کہ اللہ تعالی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اپنی حجت تمام نہیں کر دی اور منہج قویم کو واضح نہیں کر دیا، اور یہ اللہ تعالی کی بہت بڑی نعمت اور احسان عظیم ہے، اسی لئے تمام تعریفات، شکر اور احسان نوازی اللہ ہی کے لائق ہے۔

اللہ تعالی کی ایک عظیم نعمت یہ بھی ہے کہ اللہ ذوالجلال نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، اسی لئے اللہ عزوجل نے قرآن

مجید کو ہر قسم کی تحریف، تبدیلی، کمی اور زیادتی سے محفوظ رکھا، جیسا کہ اللہ ﷻ کا فرمان ہے: ﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ (الحجر 9) ترجمہ: "یقینا ہم نے ہی قرآن اتارا ہے اور یقینا ہم ہی اس کے محافظ ہیں"۔ اور یہ بات کسی شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ قرآن کی حفاظت میں اس کے بیان اور وضاحت کی حفاظت بھی داخل ہے، جو کہ وحی ثانی یعنی کہ سنت مطہرہ ہے، کیونکہ سنت مطہرہ کے بغیر بہت سے اعتقادی مسائل کی فہم ادھوری ہے، کتنے ہی حلال وحرام کے مسائل ایسے ہیں جو سنت مطہرہ کے بغیر نامکمل ہیں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ سنت مطہرہ کے بغیر کسی بھی شخص کے لئے نماز، زکوۃ، روزہ، حج اور دیگر فرائض کے ذریعہ عبادت الہی کی انجام دہی ناممکن ہے۔

اور اللہ ذوالجلال کا جب کسی معاملہ کو انجام دینے کا ارادہ ہو تو اس کے لئے مشیت الہیہ سے اسباب بھی مہیا ہوتے ہیں، اسی طرح اللہ ﷻ نے قرآن وسنت کی حفاظت کے اسباب مہیا فرمائے، (سب سے پہلے) صحابہ کرام کی مبارک جماعت کو اپنے نبی ﷺ کی صحبت، اور اپنے بعد آنے والوں تک اس دین کی تبلیغ اور نشر کے لئے منتخب فرمایا، کیونکہ اللہ تعالی جسے چاہتا ہے پیدا فرماتا ہے اور اور جسے چاہتا ہے منتخب فرماتا ہے، اور صحابہ کرام کی جماعت نے اس عظیم امانت کے بوجھ کو مکمل ذمہ داری سے اٹھایا اور انتہائی عمدہ طریقہ سے اس اہم ترین مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچایا، اور تکمیل مشن کے دشوار گزار راستے میں بڑی عظیم خدمات سرانجام دیں، اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا زمانہ گزرتے ہی ایک اور پاکیزہ جماعت اس امانت کے بوجھ کو اٹھانے کے لئے سرتاپا منتظر تھی جسے اللہ تعالی نے اس ذمہ داری کے لئے چن لیا تھا اور ادائیگی امانت کے لئے انہیں ہر لحاظ سے تیار بھی فرمادیا تھا، اور یہی وہ تابعین عظام کی جماعت ہے جنہوں نے براہ راست صحابہ کرام سے حصول علم کیا، اور اس جماعت نے بھی اپنے اس مشن کو بخیر وخوبی پایہ تکمیل تک پہنچایا، اور اسی طرح جیسے ہی کوئی جماعت گزرتی تو اس کے بعد دوسری جماعت تیار ہوتی جو ایمانی قوت، علم نافع اور عمل صالح جیسے بلند اوصاف کی حامل ہوتی، وہ جماعت مکمل اخلاص اور بڑی محنت شاقہ سے اس امانت کا بار اٹھاتی اور اپنے بعد آنے والی جماعت کے سپرد کردیتی، اور ادائیگی امانت کا یہ خوبصورت سلسلہ قیامت کی سرحدوں تک جاری رہے گا، اور یہ اللہ ذوالجلال کا اس امت پر فضل عظیم ہے، کیونکہ ہمارے پیارے نبی محمد ﷺ آخری نبی ہیں، اب ان کے بعد نہ تو کوئی نبی ہے نہ ہی قرآن کے بعد کسی کتاب کا نزول ہونا ہے، اور آپ ﷺ کی امت تا قیامت باقی رہے گی کیونکہ یہ آخری امت ہے، لہذا اللہ تعالی کی وسیع رحمت کی بدولت یہ ممکن ہوا کہ اللہ تعالی نے ہر دور میں ایسی مبارک جماعت تیار کردی جو اس دین کی بنیاد یعنی کتاب وسنت کو سنبھال کر رکھے اور لوگوں تک پہنچائے تاکہ رسولوں کو بھیجنے کے بعد لوگوں پر اللہ تعالی کی حجت تمام ہوجائے۔

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا: "دین سے تعلق ختم ہوجائے گا اور دائرہ اسلام سے خارج ہوجاؤ گے"۔ اس حوالہ سے بہتر ہوگا کہ

ہم ایک جلیل القدر عالم دین علامہ ابن جریر رحمہ اللہ کی وہ بات ذکر کردیں جو انہوں نے اس فرمان الٰہی کی تفسیر میں بیان فرمائی کہ: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾ "ترجمہ: تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات کی اتباع کرتے ہیں"، ابن جریر فرماتے ہیں: "امام قتادہ رحمہ اللہ جب بھی اس آیت کو پڑھتے تو فرماتے کہ اگر اس آیت سے مراد حروری (خوارج) اور سبائی (روافض) مراد نہیں ہیں تو پھر نجانے کون لوگ ہیں؟!، اللہ کی قسم مہاجرین وانصار صحابہ جو بدر اور حدیبیہ کے دن بیعت رضوان میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے شانہ بشانہ موجود تھے ان میں صاحب عقل وبصیرت کے لئے بڑی نصیحت ہے۔(کیونکہ) خوارج کا جب ظہور ہوا تو یہ صحابہ رضی اللہ عنہم کثیر تعداد میں مدینہ، شام اور دمشق میں موجود تھے، اور ان کے اہل وعیال بھی ان کے ساتھ تھے، (لیکن) اللہ کی قسم ان میں سے کسی ایک مرد اور عورت نے بھی ان کے خروج میں نہ شرکت کی اور نہ ہی ان کی کسی قسم کی معاونت کی، بلکہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم نے تو ایسی احادیث کو کھول کھول کر بیان کیا جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اہل بدعت کی نشاندہی فرمائی تھی اور ان کی خامیوں کو طشت از بام فرمایا تھا، اور صحابہ کرام ان اہل بدعت سے دلی نفرت کرتے تھے اور زبان وقلم سے ان کے خلاف جہاد بھی کرتے تھے، اور جب بھی صحابہ کرام کا میدان کارزار میں ان سے ٹکراؤ ہوا تو صحابہ کی تلواریں ان پر آفت بن کر لپکیں۔ اللہ کی قسم! اگر ان خارجیوں کا معاملہ ہدایت پر مبنی ہوتا تو اس میں اجتماعیت پیدا ہوجاتی، لیکن چونکہ ان کا معاملہ سراسر گمراہیت پر مبنی تھا اس لئے یہ تتر بتر ہوگئے، اور اسی طرح جب بھی کوئی معاملہ غیر اللہ کی جانب سے ہو تو اختلاف در اختلاف ہی کا شکار ہوتا ہے، اور ان خوارج نے اس معاملہ کو ایک لمبے عرصہ تک گھسیٹا ہے لیکن کیا انہیں ایک دن بھی کوئی کامیابی نصیب ہوئی؟!، سبحان اللہ! صد افسوس، آخر یہ بعد میں آنے والے اپنے پہلے لوگوں کے انجام سے سبق کیوں نہیں سیکھتے؟، اگر ان کا منہج ہدایت پر مبنی ہوتا تو اللہ تعالی ضرور انہیں غالب کرتا اور ان کی مدد ونصرت فرماتا، لیکن یہ باطل نظریہ ودین پر قائم تھے لہذا اللہ عزوجل نے انہیں مغلوب فرمایا اور ان کی بیخ کنی فرمائی، اور آپ (ان کی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو) آپ دیکھیں گے کہ جب بھی انہوں نے سر اٹھانے کی کوشش کی ہے تو اللہ عزوجل نے ان کے باطل دلائل کا پردہ فاش کیا، ان کی بدعت کو نیست ونابود فرمایا اور ان کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا، اب اگر یہ اپنے بدعتی جذبات کو چھپائیں تو سلگتے دلوں کے ساتھ غم کی تصویر بنے پھرتے ہیں، اور جب جذبات کا اظہار کریں تو بھیڑ بکریوں کی طرح کاٹ کر پھینک دیئے جاتے ہیں، اور اللہ کی قسم یہی ہے وہ برا دین جس سے تم نے بچنا ہے، اللہ کی قسم! یہودیت بھی بدعت ہے، عیسائیت بھی بدعت ہے، حروریت بھی بدعت ہے اور سبائیت بھی بدعت ہے، اور ان تمام بدعات کی دلیل نہ تو کتاب اللہ میں ہے نہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہے"[1]۔

---

[1] تفسیر ابن جریر (5/207)

قال رحمه الله تعالى:" فمن خالف أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم في شيء من أمر الدين فقد كفر"

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جس شخص نے دین کے کسی معاملہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرانقدر صحابہ رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی تو اس نے کفر کیا"۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے منہج سے اختلاف کفر یا سراسر گمراہی ہے

شرح ووضاحت

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ "اس نے کفر کیا" تو (اس کی وضاحت یہ ہے کہ) کفر کی دو قسمیں ہیں:

1. اعتقادی کفر، اور ایسا کافر ملت اسلامیہ سے خارج ہے۔
2. عملی کفر، اور ایسے عمل کا ارتکاب کرنے والا شخص عقاب الٰہی کا مستحق تو ٹھہرتا ہے لیکن وہ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا، جب تک کہ وہ کوئی ایسا عمل نہ کرلے جو کلی طور پر ایمان کے منافی ہو، جیسا کہ بتوں کو سجدہ کرنا یا قرآن مجید کی توہین کرنا وغیرہ۔

تو جس شخص نے اسلامی عقائد میں سے کسی ایسے عقیدہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مخالفت کی جس میں تاویل کی کوئی صورت ہی نہ بنتی ہو تو ایسا شخص کفر اکبر کا مرتکب ہے، اور جس شخص کی مخالفت اس سے ادنی درجہ کی ہو تو وہ اہل سنت کے دائرہ سے خارج ہے (البتہ دائرہ اسلام میں داخل ہے اور) اللہ کی پکڑ کا مستحق ہے، جیسا کہ رافضہ، معتزلہ، اشاعرہ وغیرہ ہیں جنہوں نے عقلی تاویلات کا سہارا لیا، قرآن وسنت کے دلائل میں (معنوی) تحریف کی اور راہ راست سے منحرف ہو گئے۔

قال رحمه الله تعالى:" واعلم أن الناس لم يبتدعوا بدعة قط حتى تركوا من السنة مثلها، فاحذر المحدثات من الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة، والضلالة وأهلها في النار"

مؤلف ؒ فرماتے ہیں: " یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے کہ لوگ اس وقت تک بدعت کو اختیار نہیں کرتے جب تک وہ اس بدعت کے مثل کوئی سنت ترک نہ کر دیں، لہذا آپ دینی معاملات میں نئی نئی چیزوں سے ہوشیار رہیں، کیونکہ (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہ شخص اپنی گمراہی سمیت جہنم کا ایندھن بنے گا"۔

بدعات، سنت سے محرومی کا باعث ہیں

شرح ووضاحت

ابو اسماعیل ہروی اپنی کتاب "ذم الكلام واهله" (کلام اور اہل کلام کی مذمت) میں حسان بن عطیہ ؒ کا یہ قول ذکر کرتے ہیں کہ: " جب بھی کسی قوم نے کسی بدعت کو اختیار کیا تو اللہ تعالی نے ان سے اس بدعت کے باعث سنت کو ان سے اٹھا لیا اور پھر تا قیامت وہ اس سنت پر عمل کرنے سے محروم رہی"۔ اسی طرح امام اوزاعی ؒ کا قول بھی ذکر کرتے ہیں کہ (انہوں نے اہل بدعت سے کہا): " تم کسی بدعت کو اس وقت تک نہیں چھوڑتے جب تک کہ تم اس سے زیادہ بڑی اور خطرناک بدعت کو گلے نہ لگا لو"۔ نیز سفیان ثوری ؒ کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ: " ابلیس کو گناہ سے کہیں بڑھ کر بدعت محبوب ہے، کیونکہ گناہ سے توبہ کا امکان ہے، بدعت سے توبہ کا امکان نہیں ہے"۔ اسی طرح ارطاۃ بن منذر السکونی کا قول بھی لائے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں: " اے ابو محمد! میرا بیٹا اگر گناہ گار ہو تو مجھے اتنا دکھ نہ ہوگا جتنا دکھ اس بات سے ہوگا کہ وہ (دیندار ہو لیکن) بدعتی ہو"۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ نے ان لوگوں پر شدید رد فرمایا ہے جن کے نزدیک اصلاح نفس کے لئے قرآن سننا اور قصیدہ گوئی دونوں یکساں مفید ہیں، شیخ الاسلام ؒ فرماتے ہیں: " اسی وجہ سے شریعت میں بدعتی پر سخت وعید اور شدید رد کیا گیا ہے، کیونکہ مبتلائے بدعت شخص کی کیفیت اگر اتنی بھی ہو کہ وہ محض اسی بدعت تک محدود رہے تو بھی شاید اس معاملہ میں نرمی روا

رکھی جاتی، لیکن سچ تو یہ ہے کہ یہ بدعت اس کے ذہن وقلب میں ایک خلفشار پیدا کردیتی ہے اور دین میں بگاڑ پیدا کردیتی ہے، اور اس فساد وبگاڑ کی جڑ یہ ہے کہ وہ بدعتی اپنے تئیں یہ سمجھنے لگتا ہے کہ شریعت میں اس کے لئے کوئی خاص فائدہ والی بات نہیں ہے، اور اس (سوچ کی) وجہ یہ ہے کہ اصل اور نقل دونوں ایک دل میں یکجا نہیں ہوسکتے (یعنی یا تو شریعت رہے گی جو کہ اصل ہے یا بدعت رہے گی)"۔

اہل مغاربہ (یعنی مراکش، تیونس وغیرہ) کے ایک عالم نے بڑی قابل غور بات کی ہے، فرماتے ہیں: "نوجوانوں کا ایسی کتابوں سے نظریاتی سیرابی حاصل کرنا، سلف صالحین کے پاکیزہ علم ومنہج سے استفادہ سے محروم کردیتا ہے جو کتابیں قرآن وحدیث اور آثارِ صحابہ سے کشید کردہ صحیح علم پر مبنی نہ ہوں بلکہ محض تجربہ اور شخصی افکار پر مرتب ہوں، کیونکہ دو متضاد چیزوں کا یکجا ہونا ممکن نہیں، اور ہم دیکھتے ہیں کہ نظریاتی بیماری کی علامات آہستہ آہستہ ان پر ظاہر ہونا شروع ہوتی ہیں، تو (سب سے پہلے) وہ تنہا پسندی کا شکار ہوجاتے ہیں جسے وہ بزعم خود معاشرے سے ہجرت کرجانا یا کنارہ کشی اختیار کرنا قرار دیتے ہیں، پھر وہ مساجد میں آنا اور ان اماموں کی اقتداء میں نماز ادا کرنے چھوڑ دیتے ہیں جنہیں وہ حکومت کا ملازم خیال کرکے حکومت کا ایجنٹ سمجھتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ یہ تو حکومت سے تنخواہ لیتا ہے، جبکہ درحقیقت یہ سب شیطان کی چالیں ہیں تاکہ وہ آگے چل کر انہیں سب سے بڑے فتنہ میں ڈال دے، اور ابھی چند ماہ یا سال ہی گزرتے ہیں کہ بیماری اپنی گرفت مکمل کرلیتی ہے اور یہ لوگ حکام کو اور جو بھی ان حکام کے ساتھ ہیں سب کو کافر قرار دینا شروع کردیتے ہیں، پھر یہ بیماری مزید بڑھتی ہے اور یہ لوگ پورے معاشرہ ہی کو کافر قرار دیتے ہیں، اور اس وقت یہ نادان لوگ اس بات سے لاعلم ہوتے ہیں کہ ایسا کرکے وہ درحقیقت یہود ونصاریٰ جیسے دشمنان دین کا بھلا کررہے ہیں، اور پھر انہی کی وجہ سے کسی بھی شہر اور ملک میں دعوت دین ابھی ابتدائی مرحلہ میں ہوتی ہے کہ اس کا گلا گھونٹ دیا جاتا ہے اور دور حاضر میں حقیقت حال اس بات کی شاہد ہے[1]۔

---

[1] یہ بات بہت قابل غور اور فکر انگیز ہے۔ ہمارے معاشرے میں بھی کم وبیش یہی صورتحال ہے کہ دعوت دین ویسے ہی انتہائی نامساعد حالات کا شکار ہے، اہل علم کی قلت اور وسائل کی کم یابی کے باعث دعوت دین کا کام بہت ماند ہوچکا ہے، ایسے میں چند نوجوان جو کہ اچھی نیت سے دینداری کی جانب راغب ہوتے ہیں وہ نادانی میں اہل بدعت کی ایسی کتابوں کا مطالعہ کر بیٹھتے ہیں جن میں توحید حاکمیت کو دین کی اساس، حکام کے خلاف خروج کو دین کی معراج اور خلافت کے قیام کو دین کا بنیادی مقصد قرار دیا گیا ہوتا ہے، پھر یہ نوجوان فرط جذبات میں آکر نفاذ شریعت کا نعرہ لگا کر ایسی نادانیاں کر بیٹھتے ہیں کہ نتیجتاً دعوت دین کا کام ٹھپ ہوکر رہ جاتا ہے۔ جبکہ یہ نوجوان جس شریعت کے لئے کوشاں ہوتے ہیں بسا اوقات اس شریعت سے ان کی اپنی لاعلمی کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ شریعت کے تفصیلی احکام ومسائل تو دور کی بات، شریعت کے بنیادی عقائد سے بھی وہ ناواقف ہوتے ہیں، شرک وتوحید جیسے اہم عقائد کے متعلق بھی ان کا علم محض سطحی ہوتا ہے۔ ان نوجوانوں کا تکفیر وخروج جیسی خطرناک بدعات کا شکار ہونے کا بنیادی سبب بھی یہی ہے کہ وہ شریعت کی اہم مصلحتوں، تقاضوں اور منہج سلف صالحین سے نابلد ہوتے ہیں۔ (مترجم)

قال رحمه الله تعالى:" واحذر صغار المحدثات من الأمور؛ فإن صغير البدع يعود حتى يصير كبيراً"

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" اور چھوٹی چھوٹی بدعات سے بھی بچیں، کیونکہ یہ چھوٹی بدعات ہی آگے چل کر بڑی بدعات میں بدل جاتی ہیں"۔

بدعات کی ہلاکت خیزیاں

شرح ووضاحت

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کلام بالکل درست ہے اور علماء اہل سنت کے ہاں یہ بات معروف بھی ہے، جیسا کہ امام دارمی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب سنن دارمی میں صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ (کوفہ میں) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے اور کہنے لگے کہ: اے ابو عبدالرحمن! میں نے ابھی جامع مسجد میں ایک چیز دیکھی ہے جو میرے لئے اجنبی تو ہے لیکن مجھے الحمدللہ اس میں خیر ہی نظر آئی ہے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا: ایسی کیا چیز ہے؟ ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" آپ بھی جلد ہی اسے دیکھ لیں گے، میں نے ایک جماعت کو دیکھا جو مسجد میں حلقے لگا کر بیٹھے ہوئے ہیں، ہر حلقہ میں ایک شخص ان کا بڑا ہے، ان لوگوں کے ہاتھوں میں کنکریاں ہیں، وہ شخص ان سے کہتا ہے،" سو(۱۰۰) مرتبہ اللہ اکبر کہو" وہ ان کنکریوں پر سو دفعہ اللہ اکبر کہتے ہیں، پھر وہ کہتا ہے:" سو(۱۰۰) مرتبہ لا الہ الا اللہ کہو" وہ سو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہتے ہیں، پھر وہ ان سے کہتا ہے" سو(۱۰۰) مرتبہ سبحان اللہ کہو" وہ سو مرتبہ سبحان اللہ کہتے ہیں"، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ سے پوچھا:" آپ نے ان سے کیا کہا؟"، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" آپ کے حکم کے انتظار میں میں نے ان سے کچھ نہیں کہا"، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:" کیا آپ نے ان سے یہ نہیں کہا کہ وہ ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کریں تو میں انہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ ان کی کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی"، ابو موسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فوراً وہاں سے چلے اور ہم بھی ان کے ساتھ ہو لیے، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان حلقے والوں تک پہنچے اور پھر وہاں کھڑے ہو کر فرمایا:" تم لوگ یہ کیا کر رہے ہو؟"، انہوں نے جواب دیا: اے ابو عبدالرحمن! ہم کنکریوں پر تکبیر، تسبیح اور لا الہ الا اللہ شمار کر رہے ہیں، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم لوگ اپنے گناہ ان کنکریوں پر گنو اور میں تمہیں اس بات کی ضمانت دیتا ہوں کہ تمہاری کوئی نیکی ضائع نہیں ہوگی، صد افسوس اے امت محمد! تم کتنی جلدی ہلاکت میں پڑ گئے!، یہ

تمہارے نبی ﷺ کے جانثار ساتھی ابھی کتنی کثرت سے موجود ہیں، یہ تمہارے نبی ﷺ کے کپڑے جو ابھی پرانے نہیں ہوئے اور ان کے برتن بھی ابھی تک موجود ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یا تو تم ایسے طریقہ پر ہو جو نبی ﷺ کے طریقہ سے زیادہ ہدایت والا ہے یا پھر تم گمراہی کا دروازہ کھولنے والے ہو"، وہ لوگ کہنے لگے: اے ابو عبدالرحمن! اللہ کی قسم ہمارا ارادہ تو محض خیر اور نیکی کا تھا!، تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " کتنے ہی ایسے لوگ ہیں جن کا ارادہ تو خیر کا ہوتا ہے لیکن خیر سے وہ محروم ہی رہتے ہیں، اور رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اپنے فرامین کے ذریعہ پہلے ہی متنبہ فرمادیا تھا کہ ایسی اقوام آئیں گی جو قرآن مجید پڑھیں گی لیکن وہ قرآن ان کے حلق سے نیچے (دل تک) نہیں جائے گا (بلکہ زبان تک ہی رہے گا)، اور اللہ کی قسم میں نہیں جانتا شاید تم میں سے اکثر لوگ بھی ویسے ہی ہوں"، پھر عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ان سے منہ موڑ کر چلے آئے۔ عروہ بن سلمہ رحمہ اللہ جو کے اس حدیث کے راوی ہیں وہ فرماتے ہیں: ہم نے جنگ نہروان [1] کے دن ان میں سے اکثریت کو اپنے مخالف (خارجی) لشکر ہی میں دیکھا تھا"۔

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی یہ اثر بدعت اور اہل بدعت کی خطرناکی کو واضح کررہا ہے اور ان کے انجام سے بھی آگاہ کررہا ہے کہ بالآخر یہ اہل بدعت، اہل توحید ہی کے خلاف کمربستہ ہوجاتے ہیں، اور یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ تمام بڑی بدعات، چھوٹی چھوٹی بدعات ہی سے جنم لیتی ہیں۔

[1] جنگ نہروان سے مراد وہ جنگ ہے جو 38 ہجری میں علی رضی اللہ عنہ نے خوارج کے خلاف لڑی تھی۔

قال رحمه الله تعالى:" وكذلك كل بدعة أحدثت في هذه الأمة كان أولها صغيراً يشبه الحق، فاغتر بذلك من دخل فيها، ثم لم يستطع الخروج منها، فعظمت وصارت ديناً يدان بها، فخالف الصراط المستقيم، فخرج من الإسلام"

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" اور اسی طرح ہر وہ بدعت جو اس امت میں در آئی ہے اس کی ابتداء ایک چھوٹی بدعت ہی سے ہوئی جو بظاہر حق معلوم ہوتی تھی، اور اس کے ظاہر سے دھوکہ کھا کر افراد اس میں داخل ہوتے گئے لیکن پھر ان کے لئے باہر نکلنا ناممکن ہو گیا، پھر یہ بدعت بڑھتی گئی حتی کہ ایک امتیازی دین کی حیثیت اختیار کر گئی جسے بطور دین ہی کے اپنایا جانے لگا، اور اس کو اپنانے والے صراط مستقیم کے مخالف اور دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے"۔

بدعت ایک متوازی دین اور اہل بدعت کا ایمان کش رویہ

شرح ووضاحت

مؤلف رحمہ اللہ کی اس بات کی سچائی پر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا یہ قول بھی شاہد ہے جو کہ انہوں نے اپنے ایک مکتوب میں کسی شخص کو تحریر فرمایا تھا، عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" امابعد!، میں آپ کو دین کے معاملہ میں میانہ روی اختیار کرنے اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے اور بدعات سے اجتناب کی تلقین کرتا ہوں، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت جاری ہو چکی ہے اور مسلمانوں کو یہ سنت کفایت کر چکی ہے، اور پھر آپ یہ بات بھی اچھی طرح ذہن نشین رکھئے کہ بے شک لوگوں نے جب بھی کوئی بدعت اختیار کی ہے تو اس بدعت کے متعلق (پہلے ادوار میں) ایسی بات گزر چکی ہے جو اس کے برخلاف دلیل اور عبرت ونصیحت ہے، اور سنت کی اتباع وہی شخص کرتا ہے جو یہ بات جانتا ہو کہ سنت کے برخلاف چلنا سراسر غلطی، حماقت اور جہالت ہے، لہذا اپنے لئے اس معاملہ پر راضی ہو جاؤ جس پر وہ (صحابہ کی) جماعت راضی ہو گئی، کیونکہ وہ محض علم کی بنیاد پر اور اپنی اعلی بصیرت کی بنیاد پر ٹھہرے ہیں، اور وہ اس (اللہ عزوجل کی صفات عالیہ اور اسماء حسنی کے) معاملہ کی چھان پھٹک کر کے اس کے انکشاف پر (تم سے) زیادہ قوت رکھتے تھے، اور اگر اس معاملہ (میں بحث کرنے اور چھان پھٹک کرنے) میں کوئی فضیلت ہوتی تو وہ اس کے (تم سے) زیادہ حقدار تھے، کیونکہ وہی ہر فضیلت میں سبقت لے جانے والے ہیں، اور آج ان بدعات کو اختیار کر کے اگر تم واقعی ہدایت پر ہوتے تو وہ اس ہدایت پر تم سے کہیں پہلے سبقت لے جا چکے ہوتے، اور اگر تم کہو کہ یہ معاملات تو ان کے بعد ظاہر ہوئے ہیں، تو ان بدعات کا موجد وہی ہو سکتا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم

سے بے رغبتی اختیار کر کے کسی غلط راہ پر چل نکلے، اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (اللہ تعالی کے اسماء حسنی اور صفات عالیہ کے متعلق) کلام فرمایا ہے، لہذا (خصوصا اس مسئلہ میں) ان کی بات سے کم بات کہنے والا دین میں کمی کا مجرم ہے اور ان کی بات سے تجاوز کرنے والا حسرت و یاس میں گرفتار ہے، اور ایسے لوگ گزرے ہیں جنہوں نے صحابہ کے کلام سے اعراض کیا اور دین سے جفا کر گئے، اور بعض وہ بھی تھے جنہوں نے ان سے آگے بڑھنے کی کوشش کی اور غلو میں پڑ گئے، اور صرف صحابہ کرام ہی صراط مستقیم پر قائم رہے، اور اگر آپ یہ کہیں کہ: ایسی ایسی آیت کہاں ہے؟ اور اللہ ﷻ نے ایسے ایسے کیوں نہیں کہا؟، تو (میرا جواب یہ ہے کہ) صحابہ نے بھی وہی قرآن پڑھا ہے جو تم نے پڑھا ہے اور ان کے پاس قرآن کی تفسیر کا وہ علم ہے جس سے تم نابلد ہو، اور اس تفسیر کی روشنی میں ہی وہ اس بات کے قائل ہیں کہ" تقدیریں لکھی جا چکی ہیں"۔

نصوصِ وحی سے روگردانی کے اسباب اوراس کے مذموم اسالیب

① بدعت

یہی وہ سب سے بڑا جرم ہے جس کی وجہ سے عقیدہ اور شریعت میں تبدیلی واقع ہوتی ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُاْ شَرَعُواْ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ﴾ ترجمہ: "کیا ان لوگوں کے ایسے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین کا ایسا طریقہ مقرر کیا ہو جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا؟"، اسی لئے نبی کریم ﷺ نے بھی اپنے اس خطبہ میں بدعت سے خبردار فرمایا ہے جسے صحابہ کرام نبی ﷺ کا الوداعی خطبہ کا قرار دیتے ہیں، عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ایک مرتبہ نبی ﷺ نے ہمیں ایسی بلیغ نصیحت فرمائی کہ ہمارے دل کانپ اٹھے اور آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے، پھر ہم نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ: اے اللہ کے رسول ﷺ! یوں لگتا ہے جیسے کسی جدا ہونے والے کے الوداعی کلمات ہوں، تو آپ ہمیں وصیت فرما دیجئے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میں تمہیں اللہ کے تقوی، (اپنے امیر کی بات) سننے اور اطاعت کا حکم دیتا ہوں، چاہے (وہ امیر) کوئی حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو، کیوں کہ تم میں سے جو میرے بعد زندہ رہے گا تو وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھے گا"، اس اختلاف سے مراد یہی بدعات ہیں جو ایک بیماری اور ناسور کی طرح اس امت سے چمٹ گئی ہیں، نبی ﷺ نے اس بیماری کا علاج بیان کرتے ہوئے مزید فرمایا: "تو تم پر میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت (کی اطاعت) لازم ہے، تم اس کے ساتھ مضبوطی سے چمٹے رہو، اور اپنے دانتوں کے ساتھ مضبوطی سے اسے تھام لو، اور (دین میں) نئے نئے امور سے بچو، کیونکہ (دین میں) ہر نیا کام بدعت ہے، اور ہر قسم کی بدعت گمراہی ہے"[①]۔

نبی کریم ﷺ اکثر و بیشتر اپنے خطبات میں بدعت سے متنبہ فرماتے رہتے تھے، جیسا کہ آپ ﷺ کا فرمان ہے: "جس شخص نے اس دین میں کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو اس میں پہلے سے نہیں تھا تو اس کا یہ عمل مردود ہے"[②]، لہذا اگر کسی شخص نے کوئی نیا عمل ایجاد کیا اور اسے دینِ اسلام کی طرف منسوب کیا جبکہ وہ عمل نہ تو دین میں موجود ہے نہ ہی اس عمل کی دین میں کوئی ایسی اصل یا بنیاد ملتی ہے جو اس عمل کی دلیل بن سکے تو وہ عمل سراپا گمراہی ہے، اور دین اسلام اس عمل سے بری ہے، چاہے اس بدعت کا تعلق اعتقادی مسائل سے ہو جیسا کہ قبر پرستوں کی اور صفات باری تعالی میں باطل تاویل کرنے اور اسے مخلوق کے مشابہ قرار دینے والوں کی بدعات ہیں، یا اس کا تعلق اعمال سے ہو جیسا کہ موجودہ زمانے میں یہ بدعات بکثرت نظر آتی ہیں، یا اس کا تعلق اقوال سے ہو جیسا کہ وہ من گھڑت ذکر و اذکار اور ورد جس کی شریعت میں کوئی دلیل نہیں ہے۔

---

① سنن ابوداود: کتاب السنۃ (4607)

② صحیح بخاری: کتاب الصلح (2550)

اور یہ بات معلوم ہونی چاہئے کہ بدعات میں کسی قسم کی تفریق کرنا جیسا کہ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی تقسیم کی جاتی ہے یہ جائز نہیں، اس تقسیم کی کتاب وسنت میں اور آثار صحابہ میں کوئی دلیل نہیں ملتی۔

2 مصلحت اور شریعت کا موازنہ

نصوص وحی سے روگردانی کا ایک راستہ شریعت اور مصلحت میں باہم موازنہ کرنے کا بھی ہے، کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جو بالکل صحیح اور ثابت دلائل کو محض "مصلحت کے تقاضے" کی بنیاد پر رد کردیتے ہیں، جبکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ۭ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا﴾ ترجمہ: " کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ کردے تو ان کے لئے اپنے معاملہ میں کچھ اختیار باقی رہ جائے اور جو اللہ اور اسکے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ یقیناً صریح گمراہی میں جا پڑا"،

اور صحیح مسلم میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں: " ایک دن ہمارے ایک چچا ہمارے گھر آئے اور فرمانے لگے: " آج اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایک کام سے منع فرمادیا ہے جو کام ہمارے لئے کافی نفع بخش تھا[1] لیکن اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہمارے لئے زیادہ فائدہ مند ہے"[2]، اس جلیل القدر صحابی نے اپنے ذاتی فائدہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت کی وجہ سے چھوڑ دیا، اور تمام سلف صالحین کا یہی عالم تھا، وہ بلا استثنا شریعت کے چھوٹے بڑے تمام احکامات پر ایمان لاتے تھے، اور اس شخص کی طرح نہیں تھے جو محض اپنی خواہشات کا پرستار ہو، اگر شریعت کا حکم اس کی خواہش کے مطابق ہے تو اسے قبول کرلے اور اگر اس کی خواہش کے منافی ہے تو اسے ٹھکرادے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿ اَفَكُلَّمَا جَاۗءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴾ (البقرۃ 87) ترجمہ: " لیکن جب کبھی تمہارے پاس رسول وہ چیز لائے جو تمہاری طبیعتوں کے خلاف تھی، تم نے جھٹ سے تکبر کیا، پس بعض کو تو جھٹلا دیا اور بعض کو قتل بھی کر ڈالا"، بلکہ سلف صالحین کی خواہشات بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین کے تابع تھیں، امام ابوداود صحیح سند کے ساتھ ابوادریس خولانی رحمہ اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ یزید بن عمیرہ رحمہ اللہ جو کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے

---

[1] یہ زراعت سے متعلق ایک کام تھا جس میں زمین کو ٹھیکہ پر دیا جاتا تھا، اس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لئے منع فرمایا کہ اس وقت غربت زیادہ تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خود زراعت کرسکتا ہو وہ خود کرے اور جس کے پاس زمین وافر ہے اور وہ پوری زمین پر کاشت کاری نہیں کرسکتا تو وہ باقی زمین اپنے کسی بھائی کو بغیر کسی معاوضہ کے دیدے تاکہ وہ اس پر محنت کرکے اپنے گھر والوں کے لئے کچھ کما سکے، البتہ بعد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چند شرعی حدود وقیود کے ساتھ زمین کو ٹھیکہ پر دینے کی اجازت مرحمت فرمادی تھی۔ (مترجم)

[2] صحیح مسلم کتاب البیوع (1548)

شاگردوں میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ: " معاذ بن جبل جب بھی کسی علمی مجلس میں تشریف رکھتے تو فرماتے: " اللہ تعالی حاکم ہے اور انصاف قائم کرنے والا ہے، شک میں پڑنے والے ہلاک ہوگئے" ، ایک دن معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " بے شک تمہارے پیچھے بہت سے فتنے آنے والے ہیں جس میں مال کی کثرت ہوگی اور اور قرآن عام ہو جائے گا، یہاں تک کہ وہ مؤمن اور منافق، مرد و عورت، چھوٹا اور بڑا، آزاد اور غلام سب کی دسترس میں ہوگا، پھر ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا یہ بات کہے کہ: " آخر لوگ میرے پیچھے کیوں نہیں چلتے جبکہ میں نے قرآن پڑھ رکھا ہے؟، یہ میرے پیچھے اس وقت ہی چلیں گے جب میں قرآن کے علاوہ کوئی اور نئی بات لے کر آؤنگا" ، خبردار اس کی نئی بات سے بچنا، کیونکہ اس کی یہ نئی بات یقیناً گمراہی ہے، اور تم نیک اور دانا آدمی کی غلطی سے بھی متنبہ رہو، کیونکہ شیطان کبھی کبھار نیک و دانا آدمی کی زبان سے بھی گمراہی کا کلمہ نکلوا سکتا ہے، اور کبھی کبھار منافق بھی کلمہ حق کہہ سکتا ہے" ، یزید بن عمیرہ فرماتے ہیں: میں نے پوچھا کہ: " مجھے کیوں کر معلوم ہوسکتا ہے کہ نیک و دانا آدمی نے گمراہی کا کلمہ کہا ہے اور منافق نے حق بات کہی ہے؟" ، تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " کیوں نہیں! اس نیک و دانا شخص کی ان باتوں سے بچو جس میں اس کی انفرادیت معروف ہو اور دیگر علماء اس پر سوال اٹھاتے ہوں کہ یہ اس نے کیسی بات کہی ہے؟، البتہ یہ اجتناب صرف اسی حد تک ہونا چاہئے اور اس وجہ سے اس سے تعلق ختم نہیں کرنا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اپنی اس رائے سے رجوع کرلے، اور جہاں سے بھی حق سنو اسے حاصل کرلو کیونکہ حق (کی نشانی ہے کہ اس) پر نور ہوتا ہے" [1]۔ یہ اثر اس بات کی دلیل ہے کہ کبھی کبھی انسان کتاب وسنت اور آثار سلف صالحین سے یہ بہانہ کرکے بے رغبتی کی راہ تلاش کرتا ہے لوگ ان سب سے بیزار ہو چکے ہیں، اور لوگوں کو ساتھ لے کر چلنا ضروری ہے!، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جامع ترین بات یہ ہے کہ شریعت میں کسی بھی مصلحت کو ترک نہیں کیا گیا بلکہ اللہ تعالی نے اس دین کو ہمارے لئے مکمل فرمادیا ہے اور اپنی نعمت ہم پر پوری کردی ہے، اب کوئی بھی ایسا عمل باقی نہیں رہا جو ہمیں جنت سے قریب کرتا ہو اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کی خبر نہ کی ہو، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں ایسے روشن راستہ پر لا کھڑا کیا ہے جس کا دن اور رات برابر ہیں، اور اس راستہ سے وہی شخص کج روی اختیار کرسکتا ہے جو خود کو ہلاکت میں ڈالنا چاہے، لیکن اگر کبھی ایسا ہو کہ کسی چیز کو عقل تو مصلحت تسلیم کرے لیکن شریعت میں اس کا تذکرہ نہ ملے تو یہاں دو باتوں میں سے ایک بات تو لازم ہے (۱) یا تو شریعت میں بھی اس چیز کی مصلحت کو تسلیم کیا گیا ہے لیکن یہ شخص اس کی شرعی دلیل سے ناواقف ہو (۲) یا پھر وہ چیز سرے سے مصلحت ہی نہیں ہوگی اگرچہ سطحی نظر سے وہ چیز بھلے ہی مصلحت معلوم ہو، کیونکہ مصلحت اس چیز کو کہتے ہیں

---

[1] سنن ابوداود: کتاب السنۃ (4611)

جس کا فائدہ اس کے نقصان سے زیادہ ہو، اور اکثر و بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیز دین و دنیا میں فائدہ مند ہے جبکہ درحقیقت اس کا نقصان اس کے نفع سے بڑھ کر ہوتا ہے [1]، جیسا کہ اللہ ﷻ نے شراب اور جوا کے بارے میں فرمایا: ﴿قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرۃ:219) ترجمہ: "آپ ان سے کہیے کہ ان دونوں کاموں میں بڑا گناہ ہے۔ اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں۔ مگر ان کا گناہ ان کے نفع کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہے" [2]۔

عصر حاضر کے ایک جید عالم دین کا کہنا ہے کہ: "لفظ "مصلحت" کو داعیان دین کی ڈکشنری سے نکال دینا چاہئے کیونکہ یہ شیطان کا بہکاوا ہے اور یہیں سے وہ ان افراد کے منہج میں بگاڑ پیدا کرتا ہے، وہ دعوت دین کی مصلحت کا دروازہ اس لئے استعمال کرتا ہے کیونکہ دعوت دین کا کام کرنے والے افراد عموماً انفرادی مصلحتوں کی پروا نہیں کرتے، اور کبھی کبھی تو یہ دعوتی مصلحت ایک بت کی حیثیت اختیار کر جاتی ہے جہاں مبلغ دین اپنا ماتھا ٹیکتے نظر آتے ہیں، اور وہ اس کھرے اور حقیقی منہج کو فراموش کر بیٹھتے ہیں جس کی بنیاد کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ اور سلف صالحین کی فہم و فراست ہوتی ہے، جبکہ ان اصحاب دعوت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اسی کھرے منہج پر ڈٹے رہیں، کیونکہ ان حضرات کے لئے سب سے بڑا خطرہ جس سے ان کو بچنا ہے وہ اس منہج سے انحراف کا ہے، چاہے اس انحراف کا سبب کچھ بھی ہو اور چاہے یہ انحراف کم ہو یا زیادہ، اور یقیناً اللہ تعالی کو مصلحت کا ان حضرات سے زیادہ علم ہے، اور اللہ نے انہیں مصلحت پسندی کا مکلف نہیں بنایا ہے، بلکہ وہ تو محض ایک ہی چیز کے مکلف ہیں کہ وہ صحیح منہج پر ڈٹے رہیں اور سیدھی راہ پر گامزن رہیں۔

③ وحی کو رائے اور عقل کے ذریعہ رد کر دینا

اس عمل کو قیاس فاسد کہا جاتا ہے، اس لئے فقہا کہتے ہیں: "قرآن و حدیث کی موجودگی میں قیاس کی گنجائش نہیں"، اور نبی کریم ﷺ نے ہمیں پہلے ہی اس بات سے آگاہ فرما دیا ہے کہ قرب قیامت ایسے لوگ آئیں گے جو قرآن و حدیث کو اپنی رائے سے ٹکرائیں گے، عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "بیشک اللہ تعالی علم کو بندوں سے چھین کر قبض نہیں فرماتا، بلکہ اللہ تعالی علماء کو قبض فرما کر علم کو قبض کر لیتا ہے، یہاں تک کہ جب کوئی عالم نہیں بچے گا تو لوگ جاہلوں کو اپنا پیشوا بنا لیں گے، پھر ان سے فتوی پوچھا جائے گا تو وہ بغیر علم کے فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے" [3]۔ اور علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اگر دین عقل اور رائے کا نام ہوتا تو پھر مسح کے لئے

---

[1] جیسا کہ مصلحت کا تقاضا سمجھتے ہوئے کچھ مسلمان ممالک دیگر مسلمان ممالک میں برپا ظلم و ستم پر مجرمانہ خاموشی اختیار کرتے ہیں۔ مصلحت کا تقاضا خیال کرتے ہوئے اہل بدعت سے ہاتھ ملائے جاتے ہیں، مصلحت ہی کا تقاضا بیان کر کے سود کو اسلامی معاشرہ پر تھوپا جاتا ہے، اور نجانے ایسی کتنی خلاف شریعت مصلحتیں ہیں جن کا آج کل کے مسلمان شکار ہیں۔

[2] مجموع فتاوی ابن تیمیہ (11/344)

[3] صحیح بخاری، کتاب العلم (100)

موزوں کا نچلا حصہ اوپر والے حصہ سے زیادہ مناسب ہوتا"①۔امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" مجھے ایسے لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو احادیث کی اسانید اور ان کی صحت کا علم رکھنے کے باوجود سفیان رحمہ اللہ (وغیرہ) کی رائے کو اپناتے ہیں، اور اللہ تعالی فرمارہا ہے کہ:﴿ فَلْيَحْذَرِ الَّذِينَ يُخَالِفُونَ عَنْ أَمْرِهِ أَن تُصِيبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ ترجمہ:"لہذا جو لوگ رسول کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں انہیں اس بات سے ڈرنا چاہئے کہ وہ کسی فتنہ میں گرفتار نہ ہو جائیں یا انہیں کوئی دردناک عذاب پہنچ جائے"۔کیا آپ جانتے ہیں کہ فتنہ کیا ہے؟،فتنہ سے مراد شرک ہے، کیوں کہ جب وہ (اپنی یا کسی اور کی رائے کی بنیاد پر) اللہ تعالی کے کسی حکم کو ٹھکرائے گا تو بہت ممکن ہے کہ اس کے دل میں ٹیڑھ پن آجائے اور پھر وہ اسی سبب سے ہلاک ہو جائے"۔

وحی کو اپنی رائے سے ٹکرانے کے جو اسلوب ہیں ان میں سے ایک طریقہ وعظ و بیان اور خطابت کا بھی ہے، آپ دیکھیں گے کہ بعض لوگوں کا انداز بیان بہت عمدہ ہوتا ہے اور اسی انداز کا سہارا لے کر وہ قرآن وحدیث کو اس طرح رد کرتے چلے جاتے ہیں کہ باطل کو حق اور حق کو باطل میں بدل دیتے ہیں، اور اللہ تعالی نے اس اسلوب کے حوالہ سے ہمیں متنبہ فرمایا ہے کہ:﴿ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا ﴾ ترجمہ:" اور ایک دوسرے کو چکنی چپڑی باتوں کا وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں تاکہ خود کو دھوکہ میں ڈال دیں" اس لئے کہ باطل ہمیشہ ملمع سازی اور تزئین وآرائش کا محتاج رہا ہے، اللہ تعالی کا فرمان ہے:﴿ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ﴾ ترجمہ:" آپ انہیں ان کے انداز کلام ہی سے پہچان لیں گے"، اور صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: ہذیل قبیلہ کی دو عورتوں میں لڑائی ہوگئی تو ایک عورت نے دوسری کو پتھر دے مارا جس سے وہ عورت اور اس کے پیٹ میں جو بچہ تھا دونوں فوت ہو گئے، تو ان لوگوں نے یہ معاملہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ فرمایا کہ (عورت کی دیت کے ساتھ ساتھ) مرنے والے بچہ کی دیت بھی ادا کرنی ہوگی اور وہ ایک غلام مرد یا عورت کی صورت میں ہوگی، اور عورت کی دیت کی ذمہ داری مارنے والی عورت کے رشتہ داروں کے ذمہ ہوگی جبکہ مقتولہ کے بچے اور اس کے ننھیالی رشتہ داروں کو اس دیت کا وارث ٹھہرایا، تو اس موقعہ پر حمن بن نابغہ ہذلی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایسے بچے کی دیت کیوں ادا کروں جس نے نہ کھایا نہ پیا، نہ بولا نہ چلایا، بلکہ ایسے کی دیت کو تو ٹالا جاتا ہے" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ اپنی قافیہ بندی والی گفتگو میں مہارت کی وجہ سے کاہنوں کا بھائی ہے"②۔تو نصوص قرآن وحدیث کو رد کرنے کے لئے اس طرح کا اسلوب جاہلوں کو ہی اپنا ہمنوا بنا سکتا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات

---

① سنن ابوداود (162)

② صحیح بخاری (کتاب الطب:5426)

کی وضاحت فرما چکے ہیں کہ: " بعض انداز بیان میں بڑی جادوگری ہوتی ہے "[1]، لہذا کسی فضول گو، گپیں مارنے والے اور بے تکان بولنے والے کی چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ نہ کھائیں بلکہ: ﴿ فَلِذٰلِكَ فَادْعُ ۚ وَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَقُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ﴾ ترجمہ: لہذا آپ اسی دین کی دعوت دیجئے اور جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر ڈٹ جایئے۔ اور ان کی خواہشات پر نہ چلیے اور کہہ دیجئے کہ: ''میں اس کتاب پر ایمان لایا جو اللہ نے نازل کی ہے''۔

④ جذبات کے غلبہ میں نصوص وحی کو رد کرنا

اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مومنین کی حمایت اور محبت اور ان کے لئے غیرت رکھنا ایک مسلمان کا دینی فرض ہے، اس کے دین کا یہ تقاضا ہے کہ وہ مومنین کی حمایت و نصرت کرے اور گروہ شیطان سے دشمنی رکھے، مومن اللہ ہی کے لئے محبت کرتا ہے اور اللہ ہی کے لئے بغض کرتا ہے، لیکن اس معاملہ میں یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ شریعت میں جذبات کا درجہ علم وعقل کے بعد ہے، اگر ہم نے جذبات کو علم وعقل پر مقدم کر دیا تو ہمارے منہج میں بہت بڑا بگاڑ پیدا ہو جائے گا، اور اس حوالہ سے آپ اللہ تعالی کے اس فرمان پر غور کریں کہ: ﴿ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَاۗىِٕنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴾

ترجمہ: " کیا آپ نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کے معاملہ پر بھی غور کیا؟ جب انہوں نے اپنے نبی سے کہا کہ ''ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کر دو تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں'' نبی نے ان سے کہا: ''کہیں ایسی بات نہ ہو کہ تم پر جہاد فرض کر دیا جائے اور تم لڑنے سے انکار کر دو۔'' وہ کہنے لگے: ''یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں جبکہ ہمیں ہمارے گھروں سے نکال کر بال بچوں سے جدا کر دیا گیا ہے۔ پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ماسوائے چند آدمیوں کے سب ہی (اپنے عہد سے) پھر گئے اور اللہ (ایسے) ظالموں کو خوب جانتا ہے''۔ آپ ملاحظہ فرمائیں اللہ تعالی آپ کو اپنی اطاعت کی توفیق عنایت فرمائے، کہ جذبات سے مغلوب ہو جانے کے کیا نتائج برآمد ہوئے، " ماسوائے چند آدمیوں کے سب ہی (اپنے عہد سے) پھر گئے! "، اور جہاد کے لئے طالوت جب لشکر لے کر نکلے تو چند ہی لوگ ثابت قدم رہے (البتہ یہ ایک الگ بات ہے کہ) اللہ تعالی کے اذن سے وہ چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آ گئی۔

اسی طرح مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ سے صلح حدیبیہ کے متعلق مروی حدیث میں ذکر ہے کہ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا کہ: کیا آپ اللہ کے سچے نبی نہیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " کیوں نہیں "،

[1] صحیح بخاری (کتاب النکاح: 4851)

میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں ہیں؟" آپ ﷺ نے فرمایا: کیوں نہیں"، تو میں نے کہا کہ:" پھر آخر کیوں ہم اپنے دین کو رسوا کریں؟ (اور ان کفار سے صلح کریں)"، آپ ﷺ نے فرمایا:" بیشک میں اللہ کا رسول ہوں اور میں اس کی نافرمانی نہیں کروں گا جبکہ وہ میرا مددگار بھی ہے"، میں نے کہا: کیا آپ ﷺ نے ہی ہمیں یہ خبر نہیں دی تھی کہ ہم بیت اللہ جائیں گے اور طواف کریں گے؟، تو آپ ﷺ نے فرمایا:" کیوں نہیں، لیکن کیا میں نے تمہیں کہا تھا کہ ہم اسی سال بیت اللہ جائیں گے؟" میں نے کہا: نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا:" بیشک تم بیت اللہ جاؤ گے اور اس کا طواف کرو گے" عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: پھر میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور میں نے کہا: اے ابو بکر! کیا یہ اللہ کے سچے نبی نہیں؟، ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں، میں نے کہا: کیا ہم حق پر اور ہمارے دشمن باطل پر نہیں؟، انہوں نے کہا: کیوں نہیں، میں نے کہا: تو پھر آخر کیوں ہم اپنے دین کو رسوا کریں؟، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے آدمی!، بیشک وہ اللہ کے رسول ﷺ ہیں، اور وہ کسی حال میں بھی اللہ تعالی کی معصیت کا ارتکاب نہیں کریں گے، تم اپنے آپ کو ان کے سپرد کردو، اللہ کی قسم وہ حق پر ہی ہیں۔ میں نے کہا: کیا انہوں نے ہمیں یہ نہیں بیان کیا تھا کہ ہم بیت اللہ آئیں گے اور اس کا طواف کریں گے؟، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیوں نہیں، لیکن کیا انہوں نے یہ فرمایا تھا کہ ہم اسی سال طواف کریں گے؟، میں نے کہا: نہیں، تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تو پھر بیشک آپ عنقریب بیت اللہ جائیں گے اور اس کا طواف بھی کریں گے"۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: (بعد میں اپنی غلطی کا احساس ہوجانے کے بعد) میں نے اس کی تلافی کے لئے بڑے بڑے اعمال خیر انجام دیئے"①۔ یعنی عمر رضی اللہ عنہ سے ابتدائی طور پر نبی ﷺ کے حکم کی انجام دہی میں جو کوتاہی ہوئی اس کی تلافی کے لئے عمر رضی اللہ عنہ نے بہت سے نیک اعمال انجام دیئے، اور اس واقعہ میں دو متضاد کیفیات بیان ہوئی ہیں، ایک کیفیت عمر رضی اللہ عنہ کی ہے جو کہ دینی غیرت اور جوش و جذبات پر مبنی ہونے کے ساتھ ساتھ مذکورہ معاملہ میں علم کی ناپختگی وعدم رسوخ پر مبنی ہے، جبکہ دوسری کیفیت رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے جو کہ شرعی علم اور وحی الہی کے ساتھ ڈٹ جانے والے کی کیفیت ہے جبکہ درحقیقت نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق دین کے معاملہ میں عمر رضی اللہ عنہ سے زیادہ جذبات رکھتے تھے، اور پھر صلح حدیبیہ کے بعد اللہ تعالی نے یہ آیات نازل فرمائیں: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا﴾ (سورۃ الفتح: 1) ترجمہ:" (اے نبی!) ہم نے آپ کو واضح فتح عطا کردی"۔ اسی لئے عمر رضی اللہ عنہ نے اس واقعہ کے بعد اپنے آپ سے یہ کہا کہ:" تیری ماں تجھے گم پائے اے عمر! تو نے نبی ﷺ کو تین بار مخاطب کرنے کی کوشش کی لیکن بارگاہ نبوت سے تجھے کوئی جواب نہیں ملا!"، پھر میں نے اپنے اونٹ کو

---

① صحیح بخاری (کتاب الشروط، 2581)

دوڑایا اور مسلمانوں کے لشکر سے آگے نکل گیا، میں ڈر رہا تھا کہ اب میرے بارے میں قرآن نازل ہوگا، چنانچہ ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ منادی نے میرے نام کی پکار لگائی، میں نے سوچا کہ مجھے پہلے ہی خوف تھا کہ اب میرے بارے میں قرآن ضرور نازل ہوگا، بہرحال میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " آج مجھ پر ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھے دنیا جہاں سے زیادہ محبوب ہے"، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ فتح کی قراءت فرمائی①۔

اسی حوالہ سے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا ایک اثر ہے جو کہ امام خلال رحمہ اللہ کی کتاب السنہ میں منقول ہے، امام خلال فرماتے ہیں: مجھے محمد بن ہارون اور محمد بن جعفر نے خبر دی کہ ابو حارث نے انہیں یہ بیان کیا ہے کہ بغداد میں ایک واقعہ ہوا جس کے خلاف کچھ لوگوں نے حاکم وقت کے خلاف خروج کا ارادہ کیا، تو ابو حارث فرماتے ہیں کہ میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا کہ: اے ابو عبداللہ! آپ ان لوگوں کے خروج کے متعلق کیا فرماتے ہیں؟، تو امام احمد رحمہ اللہ فرمانے لگے: سبحان اللہ! خون خون!، میں تو کبھی بھی اس کا نہ مشورہ دوں گا نہ حکم دوں گا، جس پریشانی میں آج ہم لوگ ہیں اس پر صبر کرنا اس فتنہ سے کہیں بہتر ہے جس میں لوگوں کا ناحق خون بہے، مال ومتاع لٹ جائے اور حرمتیں پامال ہوجائیں، کیا تم نہیں جانتے کہ گزشتہ فتنوں کے دوران لوگوں پر کیا گزری ہے؟"، میں نے کہا: اے ابو عبداللہ! کیا آج بھی لوگ فتنہ کا شکار نہیں ہیں؟، امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: " یہ فتنہ محدود ہے، لیکن جب تلواریں بے نیام ہوجائیں تو فتنہ آگ کی طرح پھیل جاتا ہے اور سب راستے بند ہوجاتے ہیں، لہذا اس فتنہ پر صبر کرکے اپنے دین کو محفوظ کرلو تو یہی تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے"②۔

امام احمد کا یہ قول اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کی حدیث کی یاد دلاتا ہے، اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مہم پر روانہ فرمایا، ہم جہینہ قبیلہ کے قریب ایک مقام حرقات پہنچے وہاں مشرکین سے ٹکراؤ ہوا، تو اس قتال میں میں نے ایک شخص کو گھیر لیا تو اس نے کہا: لا الہ الا اللہ، لیکن میں نے اسے قتل کردیا، البتہ یہ بات میرے ذہن سے نہ نکل سکی اور بالآخر میں نے واپس آکر یہ بات نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کردی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " کیا اس نے لا الہ الا اللہ کہا اور پھر بھی تم نے اسے قتل کردیا؟" میں نے عرض کیا: " اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! اس نے یہ بات موت کے خوف سے کہی تھی!" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس نے یہ بات دل سے کہی ہے یا نہیں؟" اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کو دہراتے رہے یہاں تک کہ میں یہ تمنا کرنے لگا کہ کاش میں نے آج ہی اسلام قبول کیا ہوتا (اور میرے گزشتہ

① صحیح بخاری (کتاب الشروط، 2581)

② کتاب السنہ، خلال (1/132)

تمام گناہ آج معاف ہوجاتے)، ان کی یہ بات سن کر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں کسی مسلمان سے وقت تک قتال نہیں کروں گا جب تک کہ اسامہ اس سے قتال نہ کرے"، تو اس موقع پر ایک شخص کہنے لگا: کیا اللہ تعالی نے یہ نہیں فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ﴾ (الانفال:39)

ترجمہ: "ایسے لوگوں سے جہاد کرتے رہو تا آنکہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین پورے کا پورا اللہ کے لئے ہوجائے"۔ تو سعد رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "ہم نے تو قتال کیا یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہا، جبکہ اب تم اور تمہارے ساتھیوں کا ارادہ ہے کہ تم لوگ قتال کرو تاکہ فتنہ زور پکڑے"①۔

امام خلال رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: مجھے عیسی بن علی نے بیان کیا ہے کہ ایک مرتبہ فقہاء بغداد یعنی ابو بکر بن عبید، ابراہیم بن علی اور فضل بن عاصم سب مل کر امام احمد کے پاس آئے، میں نے امام احمد رحمہ اللہ سے ان کے لئے اجازت طلب کی، انہوں نے اجازت دے دی، ان حضرات نے امام احمد سے عرض کیا کہ: اے ابو عبداللہ! یہ معاملہ اب حد سے گزر چکا ہے" یعنی خلق قرآن کا مسئلہ، تو امام احمد نے فرمایا: آپ لوگ کیا چاہتے ہیں؟ انہوں نے عرض کیا: ہم خلیفہ کی امارت پر راضی نہیں ہیں اور اس کے متعلق آپ سے مشورہ کرنے آئے ہیں، تو امام احمد رحمہ اللہ نے ان سے کافی دیر تک اس معاملہ پر بحث کی، بالآخر آپ نے فرمایا: "آپ اس معاملہ کو اپنے دلوں میں ضرور غلط سمجھیں، لیکن خلیفہ کی اطاعت سے اپنا ہاتھ نہ کھینچیں، آپ لوگ مسلمانوں کی لاٹھی توڑنے کے لئے آلہ کار نہ بنیں، اور اپنا اور دیگر مسلمانوں کے ناحق خون بہنے کا سبب نہ بنیں، اپنے معاملہ کے انجام کا انتظار کریں، یہاں تک کہ نیکوکار (اپنی موت کے ذریعہ) راحت پالے، یا پھر بدکار (کے مرنے) سے راحت نصیب ہوجائے"②۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جس کے دل کو اللہ تعالی منور فرمادے تو وہ قرآن وحدیث اور شریعت میں موجود خیر سے آگاہ ہوجاتا ہے، اور اگر ایسا نہ ہو تو بھی بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارکہ کی پیروی اس پر ہر حال میں لازم ہے، اور اس کے لئے قطعی یہ گنجائش نہیں کہ وہ اسے اپنی رائے یا خواہش کے ذریعہ رد کردے"۔

⑤ قومیت، مسلک، جماعتوں، گروہ یا شخصیات کے لئے تعصب کرتے ہوئے نصوص قرآن وحدیث کو رد کرنا

جہاں تک قومیت کے لئے تعصب کا تعلق ہے تو اس کی مذمت کی دلیل صحیح بخاری ومسلم کی وہ روایت ہے جس کے راوی سیدنا جابر رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں: ایک دفعہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی غزوہ میں تھے کہ دوران سفر ایک مہاجر صحابی

① صحیح مسلم، کتاب الایمان: 158

② کتاب السنۃ، خلال (1/133)

نے کسی انصاری صحابی کو برا بھلا کہہ دیا، تو انصاری نے پکار لگائی: اے انصار کی جماعت!، اور مہاجر نے پکار لگائی: اے مہاجرین کی جماعت!، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس جاہلیت کی پکار کا کیا ماجرا ہے؟، تو صحابہ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو برا بھلا کہا ہے، تو آپ ﷺ نے فرمایا: "اس تعفن آمیز پکار کو چھوڑ دو"[1]۔

جہاں تک مسلکی تعصب کا تعلق ہے تو ابتدائی تین سو سال تک اس کا کوئی وجود نہ تھا، لیکن اس کے بعد یہ مسلمانوں میں در آیا، اور چوتھی اور پانچویں صدی میں تو یہ اپنے عروج پر تھا، یہاں تک کہ بعض افراد نے تعصب کے مارے حنفی اور شافعی کے درمیان نکاح کو ہی ناجائز قرار دے دیا، اسی لئے جو شخص کسی خاص مسلک کا حامل ہو تو دو مختلف طرز عمل میں سے ایک کو وہ ضرور اختیار کرے گا: (۱) یا تو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو ہی اصل میزان اور معیار قرار دے گا اور اپنے مسلک و مذہب کے تمام اقوال و مسائل کو اس میزان پر تولے گا۔ اور یہی طرز عمل اس کے لئے واجب ہے۔ (۲) یا پھر وہ اپنے مسلک و مذہب کو میزان و معیار قرار دے گا۔ اور یہ سب سے بڑا باطل ہے۔ جبکہ بعض تعصب زدہ افراد کی جرات اس قدر بڑھ گئی کہ انہوں نے کہا کہ: ہر وہ آیت اور حدیث جو ہمارے مذہب کے خلاف ہو اس کی تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ قرار دیا جائے گا۔۔!۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جس نے کسی خاص امام کے بارے میں کہا کہ صرف اس کی اتباع واجب ہے تو اس شخص سے توبہ کرائی جائے گی، اگر وہ توبہ نہ کرے تو اسے قتل کر دیا جائے گا، اور جس نے کسی خاص امام کے بارے میں کہا کہ صرف اس کی اتباع کرنی چاہئے تو وہ یقیناً گمراہ اور جاہل ہے"، پس فہم صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں نبی کریم ﷺ کی متابعت ضروری ہے۔

رہی بات جماعتوں اور گروہوں کے لئے تعصب کرنا، تو ہمارے زمانے میں اس کی کثرت کے کیا ہی کہنے!، اور اس پر مسند احمد اور جامع ترمذی کی وہ روایت بالکل صادق آتی ہے جسے شیخ الاسلام محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "فضل الاسلام" میں "اسلام سے نکلنے کے بیان میں" کے عنوان کے تحت ذکر کیا ہے، اس حدیث کے راوی سیدنا حارث اشعری رضی اللہ عنہ ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "میں تمہیں ان پانچ چیزوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم مجھے اللہ تعالی نے دیا ہے، سمع، اطاعت، جہاد، ہجرت اور جماعت، کیونکہ جو شخص جماعت سے ایک بالشت کے برابر بھی الگ ہوا تو اس نے اسلام کی رسی کو اپنی گردن سے نکال پھینکا مگر یہ کہ وہ رجوع کر لے، اور جس نے جاہلیت کی پکار لگائی تو وہ جہنم کا ایندھن بنے گا"، ایک صحابی نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! اگرچہ وہ نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا ہو؟، آپ ﷺ نے فرمایا: "چاہے وہ نمازیں پڑھتا اور روزے رکھتا ہو، لہذا اللہ کے بندوں تم محض اللہ ہی کی پکار سے پکارا کرو جس نے تمہارا نام

[1] صحیح بخاری (کتاب المناقب: 3330)، صحیح مسلم (کتاب البر والصلہ: 2584)

مسلمان اور مومن رکھا ہے"[1]۔

جماعتوں اور گروہوں کے لئے تعصب رکھنے والوں کی دو نمایاں علامتیں

1 پہلی علامت یہ ہے کہ اپنی جماعت کے علاوہ کسی اور کی طرف سے حق بات آئے تو اسے رد کردے۔ اور یہ بعینہ وہی مکروہ گناہ ہے جو یہود کے ہاں بھی پایا جاتا تھا، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تُؤْمِنُوٓا۟ إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُمْ﴾ (آل عمران 73) ترجمہ: " وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنے مذہب والے کے سوا کسی کی بات کا اعتبار نہ کرو"۔ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " دو معاملوں سے بہت بچ کر رہو" اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ " محض اپنی خواہش کے برخلاف ہونے پر حق کو رد کردینا، کیونکہ تمہارے دل کو پھیر کر یہ دراصل تمہیں ہی سزا دی جارہی ہے"۔ اور اسی بات کا مصداق اللہ تعالی کا یہ فرمان ہے: ﴿وَنُقَلِّبُ أَفْـِٔدَتَهُمْ وَأَبْصَٰرَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا۟ بِهِۦٓ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ فِى طُغْيَٰنِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾

ترجمہ: " اور ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو ایسے ہی پھیر دیں گے جیسے وہ پہلی بار بھی اس (قرآن) پر ایمان نہیں لائے اور انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتے چھوڑ دینگے"۔ اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ٱسْتَجِيبُوا۟ لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ ۖ وَٱعْلَمُوٓا۟ أَنَّ ٱللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ ٱلْمَرْءِ وَقَلْبِهِۦ﴾ ترجمہ: " اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو جبکہ رسول تمہیں ایسی چیز کی طرف بلائے جو تمہارے لیے زندگی بخش ہو۔ اور یہ جان لو کہ اللہ تعالی آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہو جاتا ہے"۔ اللہ عزوجل اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کی عدم پیروی اور انکار پر یہ سزا مرتب ہوتی ہے کہ اللہ تعالی اس بندے کے دل اور حق کی پہچان کے درمیان حائل ہو جاتا ہے پھر بندہ نہ تو اس حق تک پہنچ پاتا ہے اور نہ ہی اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔

2 دوسری علامت یہ ہے کہ دوسری جماعتوں کے افراد پر محض تعصب کی بنا پر جاہل اور بے دین ہونے کے فتوے لگائے، اور یہ بھی یہود نصاری کی بری عادات میں سے ایک عادت تھی، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَقَالَتِ ٱلْيَهُودُ لَيْسَتِ ٱلنَّصَٰرَىٰ عَلَىٰ شَىْءٍ وَقَالَتِ ٱلنَّصَٰرَىٰ لَيْسَتِ ٱلْيَهُودُ عَلَىٰ شَىْءٍ وَهُمْ يَتْلُونَ ٱلْكِتَٰبَ﴾ (البقرۃ 113) ترجمہ: " یہود یہ کہتے ہیں کہ عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں اور عیسائی یہ کہتے ہیں کہ یہودیوں کے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ وہ (دونوں) کتاب پڑھتے ہیں"۔ یعنی وہ جانتے ہیں کہ شریعتِ تورات اور شریعت انجیل اپنے اپنے وقت میں واجب العمل شریعتیں رہیں ہیں، لیکن اس کے باوجود یہود و نصاری ایک دوسرے سے بغض وعداوت کی بنا پر شریعت الہی کا کفر کرتے ہوئے باہم دست وگریبان رہے اور باطل کا مقابلہ باطل سے ہی کرتے رہے۔ اور اگر آپ یہ سمجھنا چاہیں کہ جماعتوں اور گروہوں کے لئے تعصب رکھنا

[1] جامع ترمذی (کتاب الامثال: 2863)

بدعت اور حرام ہے تو آپ ذرا اللہ تعالی کے اس فرمان پر غور کیجئے: ﴿وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ﴾ ترجمہ: "اور ان مشرکوں سے نہ ہو جاؤ۔ جنہوں نے اپنا دین الگ کر لیا اور گروہوں میں بٹ گئے۔ ہر گروہ کے پاس جو کچھ ہے وہ اسی میں مگن ہے"، اور باری تعالی کے اس فرمان پر بھی غور فرمائیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ ترجمہ: "جن لوگوں نے اپنے دین میں تفرقہ ڈالا اور کئی فرقے بن گئے، ان سے آپ کو کچھ سروکار نہیں"۔

اسی طرح شخصیات کے لئے تعصب کا معاملہ ہے اور اس کے متعلق یہ اثر بہت اہم ہے جو کہ مصنف عبدالرزاق اور ابن ابی شیبہ میں ہے کہ ایک شخص نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ: آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کی ملت پر ہیں، یا علی رضی اللہ عنہ کی ملت پر؟ تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر ہوں"۔ اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے ایک اور مشہور اثر مروی ہے کہ عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے کہا: کیا آپ لوگوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں؟ ابن عباس نے استفسار کیا کہ: ایسی کیا بات ہوئی ہے عروہ؟، تو عروہ رحمہ اللہ کہنے لگے: "آپ لوگوں کو عشرہ ذی الحجہ میں عمرہ کا حکم دے رہے ہیں، جبکہ ان دنوں میں عمرہ کا کوئی ثبوت نہیں ہے"، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "کیا آپ نے اپنی والدہ (یعنی اسماء رضی اللہ عنہا) سے اس مسئلہ کے متعلق دریافت نہیں کیا؟"، تو عروہ رحمہ اللہ کہنے لگے: ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ نے تو ایسا نہیں کیا تھا!، اس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "یہی چیز تمہاری ہلاکت کا سبب بنے گی اور اللہ تعالی اسی سبب سے تم پر عذاب نازل فرمائے گا، میں تمہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کر رہا ہوں اور تم میرے پاس ابو بکر رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ کی باتیں لے کر آ رہے ہو؟!"۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھئے کہ انسانوں میں شرک کی ابتدا بھی شخصیات کی غیر ضروری تعظیم ہی کے سبب ہوئی، جیسا کہ قوم نوح علیہ السلام کے قصہ میں یہ بات ثابت ہے۔ ابن قیم رحمہ اللہ اپنی کتاب "نونیہ" میں فرماتے ہیں:

والخوف كل الخوف فهو على الذي

ترك النصوص من أجل قول فلان

(گمراہی اور عذاب الہی کا) خوف اور ڈر اس شخص کے بارے میں ہے، جو نصوص قرآن وحدیث کو کسی "فلاں" کے قول کی بنا پر رد کر دے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "اہل بدعت، قرآن وحدیث اور صحابہ وتابعین کے آثار پر بالکل اعتماد نہیں کرتے، بلکہ ان کا ماخذ علمی محض عقل اور لغت ہے، آپ انہیں ہمیشہ کتب تفاسیر، کتب حدیث اور آثار صحابہ پر عدم اعتمادی کا شکار پائیں گے، بلکہ یہ ہمیشہ صرف انہی ادب اور کلام کی کتابوں پر انحصار کریں گے جو ان کے بڑے لکھ گئے ہیں، اور یہی

طریقہ ملحدین کا ہے کہ اپنا ماخذ صرف اور صرف فلسفہ، ادب اور لغت کی کتابوں کو قرار دیتے ہیں اور کتب تفسیر اور حدیث کی جانب نظر التفات بھی گویا ان کے ہاں حرام ہے، تو یہ تمام اہل بدعت نہ صرف یہ کہ نصوص انبیا سے اعراض کرتے ہیں بلکہ ان کا گمان ہے کہ ان نصوص میں کسی قسم کا علم ہی موجود نہیں ہے"۔

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اور اس کے ظاہر سے دھوکہ کھا کر افراد اس میں داخل ہوتے گئے لیکن پھر ان کے لئے باہر نکلنا ناممکن ہو گیا"۔

اسی لئے سلف صالحین کا یہ طرز عمل رہا ہے کہ وہ بدعتی اور خواہشات کے پیروکاروں سے لوگوں کو ڈراتے اور متنبہ کرتے رہے ہیں، کبھی تعلیم و تعلم کے ذریعہ، کبھی اہل بدعت پر رد کر کے، کسی وقت ان سے کنارہ کش ہو کر اور ان سے سختی برت کر، اور عموماً تصنیف و تالیف کا سہارا لے کر۔ اس حوالہ سے سلف صالحین میں سے بعض کے مشہور اقوال پیش خدمت ہیں:

علامہ اسماعیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اہل حدیث ہمیشہ بدعات اور گناہوں سے اجتناب کرتے ہیں اور اسی طرح ترک غیبت ان کا شیوہ ہے، البتہ ایسا شخص جو بدعتی ہو اور اپنی بدعت کی ترویج بھی کرتا ہو تو اس کی برائی کو آشکار کرنا ان کے نزدیک غیبت میں شمار نہیں ہوتا"[1]۔

علامہ ابو عثمان صابونی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اہل حدیث ہمیشہ اہل بدعت وضلال سے کنارہ کشی کی راہ اختیار کرتے ہیں، خواہشات نفسانی کے پجاریوں اور جہالت کے علمبرداروں سے برسرپیکار رہتے ہیں، دین میں نئی نئی بدعات کی پیوندکاریاں کرنے والوں سے بغض رکھتے ہیں، ایسے لوگوں سے نہ ان کا محبت کا تعلق ہے نہ دوستی کا، نہ وہ ان کی بات کو سننا پسند کرتے ہیں نہ ہی ان کے ساتھ مجالست سے کوئی شغف رکھتے ہیں، بلکہ اہل حدیث تو ان اہل بدعت سے کسی قسم کا مجادلہ یا مناظرہ کرنا تک پسند نہیں کرتے، کیونکہ وہ ان کے باطل شبہات سے اپنی سمع خراشی نہیں چاہتے کہ مبادا کوئی شبہ سماعت کے راستہ دل میں داخل ہو جائے اور انسان ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور شکوک وشبہات اور وسوسوں کا شکار ہو جائے، اور انہی اہل بدعت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ (الانعام 68)

ترجمہ: " اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیات میں نکتہ چینیاں کرتے ہیں۔ تو ان کے پاس بیٹھنے سے اعراض کیجئے تا آنکہ وہ کسی دوسری بات میں لگ جائیں"[2]۔

---

[1] اعتقاد ائمة الحديث (78)

[2] اعتقاد اصحاب الحديث (199)

امام شوکانی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: "اس آیت میں اس شخص کے لئے بڑی نصیحت کا سامان ہے جو ایسے اہل بدعت کے ساتھ مجالس کرنے میں گنجائش کی راہ نکالتا ہے جو کلام الٰہی میں تحریف کرتے ہیں، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے لہو ولعب کی بھینٹ چڑھاتے ہیں، اور اسے توڑ مروڑ کر اپنی گمراہ کن خواہشات اور بدعات کے مطابق بنانے کی سعی لاحاصل کے مجرم ہیں، ان اہل بدعت کے اس فعل شنیع کا انکار نہ بھی کیا جائے اور ان کے جرائم کی اس شخص کو پردہ پوشی ہی منظور ہو تو بھی ایک مسلمان ہونے کے ناطے اس پر کم از کم واجب یہ ہے کہ وہ ان کی مجلسوں میں شریک نہ ہو، اور یہ کام بہرحال اس شخص کے لئے قدرے آسان ہے، کیونکہ اہل بدعت اس شخص کے اپنی مجالس میں آنے کو اور اس کی خاموشی کو عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کے لئے بطور شبہ اور دلیل کے استعمال کرتے ہیں، یعنی اس شخص کے اہل بدعت کی مجالس میں شریک ہو کر باطل تاویلات کے سماع کا ہی ایک مفسدہ نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ بھی اور بہت سے مفاسد ہیں، اور ہم نے ان ملعون مجالس کے ایسے ایسے نقصانات دیکھے ہیں جن کا کوئی شمار نہیں، اور ہم اپنی پوری طاقت اور قوت کے ساتھ نصرت حق اور باطل کی مخالفت میں کوشاں ہیں، اور جو شریعت مطہرہ کی حقیقی معرفت رکھتا ہو وہ اس بات سے بخوبی آگاہ ہوگا کہ اہل بدعت کی ان مجالس میں جو مفاسد پنہاں ہیں وہ اہل معصیت کی گناہ سے لتھڑی مجالس سے کہیں زیادہ ہیں، خاص طور پر اس شخص کے لئے جو کتاب وسنت کے علم میں پختگی نہ رکھتا ہو، تو اس بات کا قوی امکان ہے کہ وہ اہل بدعت کے ایسے شبہات اور ہذیان سنے جو واضح طور پر خلاف حق ہوں، اور اسی سبب سے اس کے دل میں ایسا مرض درآئے کہ جس کا علاج ہی ممکن نہ ہو سکے، پھر وہ ساری عمر اس مسئلہ پر عمل پیرا رہے اور جب اللہ تعالی سے ملاقات ہو تو اس کا گمان ہو کہ وہ حق پر ہے لیکن پھر اسے معلوم ہو کہ درحقیقت وہ تو باطل کی چوٹی پر کھڑا تھا"①۔

علامہ بغوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس امت میں دھڑے بازی، خواہش پرستی اور بدعات کے درآنے کے متعلق آگاہ فرما چکے ہیں، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام کے طریقہ پر عمل پیرا شخص کے لئے نجات کا سندیسہ بھی دے چکے، لہذا اگر ایک مسلمان کسی شخص کو خواہش پرستی یا بدعات میں ملوث پائے یا سنت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی عمل کا استہزا کرتا دیکھے تو فوراً اس سے کنارہ کشی اختیار کرے، اس سے براءت کا اعلان کرے اور اس کے زندہ یا مردہ کسی بھی حال میں اس سے کوئی تعلق اختیار نہ کرے، اگر اس سے ملاقات ہو تو اسے سلام نہ کرے اور اگر وہ سلام کرے تو اس کا جواب نہ دے جب تک کہ وہ اپنی بدعت کو چھوڑ کر راہ حق کو اختیار نہ کرلے، اور جہاں تک حدیث شریف میں تین دن سے زیادہ لاتعلقی سے ممانعت کی بات ہے تو یہ ممانعت اس وقت ہے جب ناراضی کا سبب دنیاوی ہو یعنی دوستی اور رشتہ داری میں کسی کی حق تلفی

---

① فتح القدیر (2/381)

ہو جائے ،لیکن اگر معاملہ دین کا ہو تو یہ کنارہ کشی اور ترک تعلق دائمی ہے جب تک وہ توبہ نہ کر لیں"[1]۔

فضیل بن عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اگر میں کسی یہودی یا عیسائی کے پاس بیٹھ کر کھانا کھالوں تو یہ میرے نزدیک زیادہ بہتر ہے اس بات سے کہ میں کسی بدعتی کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاؤں، کیونکہ یہودی یا عیسائی کے ساتھ میرے کھانا کھانے کی تو کوئی پیروی نہیں کرے گا (کیونکہ ان کا معاملہ سب کے سامنے واضح ہے) البتہ بدعتی کے ساتھ میرے کھانا تناول کرنے کی بہت سے لوگ پیروی کریں گے، بلکہ میری تو خواہش ہے کہ میرے اور بدعتی کے درمیان لوہے کا ایک مضبوط قلعہ ہو، اور (جان لیجئے کہ) تھوڑا عمل کرنا جو سنت کے مطابق ہو کسی بدعتی کے عمل کثیر سے بہت بہتر ہے، اور بدعتی کا ہمنوا حکمت سے محروم رہتا ہے، بلکہ بدعتی کے ہم مجلس سے بھی محتاط رہو، اور اپنے دین کے معاملہ میں بدعتی سے ہمیشہ بچ کر رہنا، اور اپنے معاملات پر کبھی اس سے مشورہ تک نہ کرنا[2]"۔

ابن مفلح رحمہ اللہ اپنی کتاب " الآداب الشرعیۃ " میں ذکر فرماتے ہیں کہ خلیفہ متوکل نے امام احمد رحمہ اللہ کی جانب ایک قاصد بھیجا اور ان سے یہ مسئلہ دریافت کیا کہ: آپ کا کیا خیال ہے کہ ہم حکومتی معاملات میں عیسائیوں کو استعمال کریں یا اہل بدعت کو؟، تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: " اسے چاہئے کہ وہ عیسائیوں کو استعمال کرے، اہل بدعت کو نہیں"، جب وہ قاصد چلا گیا تو مجلس میں موجود ایک شخص نے امام احمد رحمہ اللہ سے اس کی وجہ پوچھی تو امام احمد رحمہ اللہ نے فرمایا: " یہودی اور عیسائیوں کی برائیاں سب پر واضح ہیں، جبکہ یہ اہل بدعت دیگر لوگوں کو ان کے دین کے معاملہ میں شک وشبہ میں ڈال دیتے ہیں[3]"[4]۔

امام یحی بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " جب تم کسی بدعتی کو ایک راستے پر چلتا دیکھو تو تم کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو"[5]۔

اسی طرح اہل بدعت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے امام احمد فرماتے ہیں: " یہ لوگ کتاب الہی میں اختلاف کرتے ہیں، بلکہ درحقیقت یہ خود کتاب الہی کے مخالف ہیں اور اس سے علیحدگی اختیار کرنے میں یہ سب متفق ہیں، متشابہ الفاظ کے

---

[1] شرح السنۃ (1/223-227)

[2] الحلیۃ لابی نعیم (8/301)

[3] یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے: (۱) امام احمد کی ہرگز یہ مراد نہیں کہ عیسائی، اہل بدعت سے زیادہ افضل ہیں، یا مسلمان بدعتی اور عیسائی ایک ہی درجہ پر ہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ بدعتی چونکہ مسلمان ہے لہذا کسی منصب پر فائز ہو کر وہ اپنی بدعت کی بھرپور ترویج کر سکتا ہے، جبکہ عیسائی چونکہ غیر مسلم ہے تو وہ ایک طاقتور اسلامی مملکت میں جہاں مسلمان قوت میں ہوں وہاں اپنی دعوت کے لئے مسلمانوں کی طرف سے تفویض کردہ مناصب وعہدہ جات کو استعمال نہیں کرے گا۔ (۲) یہ اصول صرف اس وقت اپنایا جائے گا جب مسلمان قوت میں ہوں، اور غیر مسلم عیسائی ویہودی ذمی بن کر جزیہ ادا کر کے اسلامی مملکت میں رہتے ہوں، اور انہیں ایسی ذمہ داری دی جائے جسے ادا کرنے کے لئے کوئی اہل سنت مسلمان دستیاب نہ ہو۔ البتہ اگر عیسائی ویہودی طاقتور ہوں اور اہل اسلام کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بنتے ہوں تو پھر انہیں اسلامی مملکت میں کوئی ذمہ داری نہیں دی جائے گی۔

[4] الآداب الشرعیہ (165)

[5] الشریعہ للآجری (1/199)

ذریعہ گفتگو کر کے یہ بے علم لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور انہیں شک وشبہ میں ڈال دیتے ہیں"[1]۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو اہل بدعت اور اہل سنت کے مابین درمیانی راہ اختیار کرنے کا دعوی کرتے ہیں، اور آپ انہیں ہر ایک کے ساتھ نشست کرتا دیکھیں گے، اور پھر ایسے افراد سے جب اس کی وجہ دریافت کی جائے تو یہ کہتے ہیں: "ہم لوگوں کو جمع کرتے ہیں، تفرقہ بازی نہیں کرتے"، جبکہ درحقیقت ان کی یہ بات ہی تفرقہ بازی کی جڑ ہے، اور سلف صالحین کے منہج سے دوری کی وجہ ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جبکہ ان تکفیریوں کے بالکل برعکس کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو عقیدہ اہل سنت والجماعت سے کما حقہ تعارف نہیں رکھتے، یا بعض چیزوں کا علم رکھتے ہیں اور بعض سے لاعلم ہیں، اور جس چیز کا علم رکھتے ہیں اسے بھی بسا اوقات لوگوں کے سامنے بیان نہیں کرتے بلکہ چھپا لیتے ہیں، وہ نہ تو بدعات سے لوگوں کو روکتے ہیں اور نہ ہی اہل بدعت کی مذمت ومحاسبہ کرتے ہیں، بلکہ شاید وہ تو سرے سے سنت اور عقیدہ کے متعلق گفتگو کرنے کو ہی مطلقاً برا گردانتے ہیں، اور انکا طرز عمل یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت اور اجماع سے ماخوذ عقائد واحکام اور اہل بدعت کے فضول وبے اصل مقالات کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھتے، یا یوں کہہ لیجئے کہ وہ ہر ایک کو اس کے مختلف منہج ومسلک پر اسی طرح برقرار رکھنے کے قائل ہیں جس طرح علماء ان مسائل میں مختلف اجتہادات کو برقرار رکھنے کے قائل ہیں جن میں اختلاف کی گنجائش موجود ہو، اور یہ طرز عمل عموماً فرقہ مرجیہ کے اکثر افراد کا اور خود کو فقیہ سمجھنے والے بعض افراد کا اور اہل تصوف اور فلسفہ کا ہے، بالکل اسی طرح جیسا کہ پہلا طرز عمل (یعنی تکفیر کا) عموماً خواہش پرستوں اور اہل کلام کا ہوتا ہے، اور یہ دونوں طرز عمل قرآن وحدیث سے انحراف پر قائم ہیں"[2]۔

شیخ الاسلام رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں: "اہل بدعت کا اہل معصیت سے زیادہ بدتر ہونا سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اجماع امت سے ثابت ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج سے لڑنے کا حکم دیا ہے اور ظالم حکمرانوں سے لڑنے سے منع فرمایا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شرابی کے متعلق فرمایا: "اس پر لعنت نہ کرو، اللہ کی قسم میں تو بس یہ جانتا ہوں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے"[3]، جبکہ ذوالخویصرہ کے متعلق فرمایا: "اس کی نسل سے ایسے لوگ نکلیں گے جو قرآن کی تلاوت کریں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا، وہ دین سے اسی طرح آر پار ہو جائیں گے جس طرح تیر شکار سے آر پار ہو کر نکل جاتا ہے"[4]، اور دوسری بات یہ ہے کہ اہل معصیت کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے بعض ایسے کام کئے جن

---

[1] درء التعارض (1/44)

[2] مجموع الفتاوی (12/467)

[3] صحیح بخاری (کتاب الحدود: 6398)

[4] صحیح بخاری (کتاب الأنبیاء: 3166)

سے ان کو منع کیا گیا تھا یعنی چوری، زنا، شراب نوشی، اور دوسرے کا مال ہڑپ کرنا وغیرہ، جبکہ اہل بدعت کا جرم یہ ہے کہ انہوں نے تو سرے سے ان احکامات ہی کی دھجیاں اڑا دیں جس کے یہ پابند کئے گئے تھے یعنی اتباع سنت اور مومنین کی جماعت کے ساتھ جڑے رہنے کے احکامات"۔

قال رحمه الله تعالى: " فانظر رحمك الله كل من سمعت كلامه من أهل زمانك خاصة، فلا تعجلن ولا تدخلن في شيء منه حتى تسأل وتنظر، هل تكلم به أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم أو أحد من العلماء، فإن وجدت فيه أثراً عنهم فتمسك به ولا تجاوزه لشيء، ولا تغتر عليه شيئاً فتسقط في النار "

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " دیکھئے اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے کہ ہر ایک جس کی آپ بات سنیں خاص طور پر جو آپ کا ہم عصر ہو تو آپ جلد بازی نہ کریں اور کسی نظریہ کو اس وقت تک اختیار نہ کریں جب تک کہ آپ یہ دریافت نہ کرلیں اور خوب غور وفکر نہ کرلیں کہ آیا یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یا کسی جید عالم دین نے کہی ہے؟، اگر اس کے متعلق ان میں سے کسی کا اثر مل جائے تو اسے تھام لیں اور اس سے تجاوز نہ کریں اور اس پر کسی اور بات کو ترجیح نہ دیں ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں جہنم کی دہکتی آگ میں نہ داخل ہو جائیں" ۔

اہل بدعت، اسلام کے لئے کافروں سے زیادہ خطرناک ہیں

شرح ووضاحت

مؤلف رحمہ اللہ کا یہ کلام ایک بہت ہی اہم اصول کے تحت مندرج ہوتا ہے جس اصول پر سلف صالحین کے نقش قدم پر رواں اہل سنت والجماعت کا پورا منہج قائم ہے اور کسی سلفی طالب علم کے یہ لائق نہیں کہ اس اصول سے لاعلم ہو، اور وہ اصول یہ ہے کہ امت کا اندرونی دشمن امت کے لئے اس کے بیرونی دشمن سے زیادہ خطرناک ہے، اور اس کی دلیل صحیح مسلم وسنن ابو داود کی وہ حدیث ہے جس کے راوی ثوبان رضی اللہ عنہ ہیں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " اللہ تعالی نے میرے لئے زمین کو سمیٹ دیا تو میں نے زمین کے مشرق اور مغرب دیکھے، اور جتنی زمین سمیٹ کر مجھے دکھائی گئی اس سب پر میری امت کی حکومت ہوگی، اور میں نے اپنے رب سے یہ دعا کی کہ میری پوری امت کو قحط سالی کے ذریعہ ہلاک نہ کیا جائے، اور نہ ہی ان کا کوئی بیرونی دشمن ان پر مسلط کیا جائے جو ان کی نسل کو ہی ختم کر ڈالے، اور بیشک میرے رب نے فرمایا: " اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! بیشک میں جو فیصلہ کرلوں وہ لوٹایا نہیں جاسکتا، میں نے تمہاری امت کے لئے یہ نعمت عطا کی ہے کہ میں انہیں کسی قحط سالی (یا عذاب) کے ذریعہ ہلاک نہیں کروں گا، اور نہ ہی میں ان پر کوئی ایسا دشمن مسلط کروں گا جو ان کی نسل ختم کردے، چاہے یہ دشمن دنیا کے کونے کونے سے جمع ہو کر ہی حملہ آور کیوں نہ ہو جائیں، یہاں تک کہ یہ امت ہی ایک دوسرے کو مارنا اور قید کرنا

شروع کر دے، اور میں اپنی امت کے متعلق گمراہ کرنے والے اماموں سے خوفزدہ ہوں"[1]۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ نبی ﷺ کو اپنی امت پر کسی بیرونی دشمن کا خوف نہ تھا جس کا یہودی اور عیسائیوں کی طرح کفر واضح ہو، کیونکہ اللہ تعالی نے فیصلہ فرما دیا ہے اور اس کا فیصلہ اٹل ہے، اور فیصلہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کسی دشمن کو اس وقت تک ہم پر مسلط نہیں فرمائے گا جب تک ہم خود یہ دروازہ نہ کھول لیں اور اپنے دشمن کے لئے راستہ صاف نہ کر دیں، اور دوسری بات یہ ہے کہ شر اور مصائب اندرونی دشمن کی جانب سے آتے ہیں جو کہ گمراہ کرنے والے اماموں کی صورت میں ہیں جو بدعات اور خواہش پرستی کا شکار ہیں۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَن يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا﴾ ترجمہ: " اور اللہ نے کافروں کے لیے مسلمانوں پر (غالب آنے کی) ہرگز کوئی گنجائش نہیں رکھی" ۔ اس آیت کے متعلق مختلف اقوال ہیں، ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کو یہ غلبہ حجت اور دلائل میں عطا فرمایا ہے، کیونکہ کافروں کے دلائل ان کے رب کے ہاں بودے اور باطل ہیں، ایک قول یہ ہے کہ یہ غلبہ آخرت کا ہے، جہاں تک دنیا کا تعلق ہے تو کافر کبھی کبھار مسلمانوں پر غالب آ کر انہیں تکلیف اور اذیت پہنچاتے رہیں گے، ایک قول یہ ہے کہ کافروں کے مسلمانوں پر غلبہ کی گنجائش مسلسل نہیں ہوگی، بلکہ جب بھی کبھی کافر کسی وقت میں مسلمانوں پر غالب آئیں گے تو انہیں دوبارہ سے مغلوب کر دیا جائے گا اور مسلسل غلبہ مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگا، اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہر پر ہی ہے (یعنی اللہ تعالی کبھی کافروں کو مسلمانوں پر غالب آنے کی گنجائش نہیں دے گا) اور اس میں الحمد للہ کوئی اشکال بھی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ وہ کبھی بھی کافروں کے لئے مسلمانوں پر غالب آنے کی کوئی راہ فراہم نہیں کرے گا، اور اگر کبھی کافر مسلمانوں پر غالب آئے تو یہ خود مسلمانوں کی ہی فراہم کردہ راہ سے آئیں گے اور اس راستے کی فراہمی کا سبب مسلمانوں کا اپنے دین کے احکامات کی نافرمانی اور گناہوں کی آلودگی ہے، تو خود مسلمان ہی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے روگردانی کر کے کافر کو راستہ فراہم کرتا ہے اور اس گھاٹی کو کھلا چھوڑ کر خود پر اپنے دشمن کے تسلط کو اسی طرح لازم کر لیتا ہے جس طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس گھاٹی کو غزوہ احد کے دن کھلا چھوڑ دیا تھا جس پر ڈٹے رہنے کا نبی ﷺ نے انہیں حکم دیا تھا، پھر جب دشمن کو اس گھاٹی سے ان پر چڑھائی کا راستہ ملا تو وہ ان پر چڑھ دوڑا"[2]۔

لہذا اہل علم کے اتفاق سے جب یہ بات حتمی ہے کہ بدعات اس امت کے لئے گناہوں سے زیادہ خطرناک ہیں تو

---

[1] صحیح مسلم (کتاب الفتن: 2889)، سنن ابوداود (کتاب الفتن: 4252)

[2] الصواعق المرسلة (1394/4)

صاف ستھرے اور خالص عقائد کے حاملین کو چاہئے کہ وہ اہل بدعت، انقلاب کا نعرہ لگانے والے اور خودساختہ مفکرین اور سیکولر لوگوں کا کھوٹ عوام الناس کے سامنے افشا کریں اور اس امت کی صفوں کی اندرونی دشمن سے حفاظت کا اسی طرح کا اہتمام کریں جس طرح بیرونی دشمن سے حفاظت کا اہتمام کرتے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " مومن دوسرے مومن کے لئے دو ہاتھوں کی طرح ہے، ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کی صفائی کرتا ہے، اور بسا اوقات میل کچیل دور کرنے کے لئے ہاتھ کو رگڑنا پڑتا ہے، لیکن اس سے جو نظافت اور ملائمت حاصل ہوتی ہے اس پر ہم اس رگڑ کی تعریف کرتے ہیں" ①۔

لہذا اہل علم پر واجب ہے کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق کا دفاع کریں اور ہر ایک اپنے علم اور طاقت کے بقدر ان قلمی تیروں اور طبلِ جنگ بجانے والوں کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جائے۔

اس اندرونی دشمن خصوصاً اہل بدعت کے خطرہ کی وضاحت کے لئے اہل علم کے چند زریں اقوال درج ذیل ہیں:

ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " ابو وفاء علی بن عقیل الفقیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے شیخ ابو الفضل ہمدانی رحمہ اللہ نے فرمایا: " اہل اسلام کے بدعتی لوگ، بے دین ملحد لوگوں سے بڑھ کر خطرناک ہیں، کیونکہ بے دین ملحد لوگ دین کے بگاڑ کے لئے بیرونی دروازہ استعمال کرتے ہیں جبکہ یہ اہل بدعت تو اندر ہی اندر دین کو کھوکھلا کرتے ہیں، تو یہ ان بستی والوں کی طرح ہیں جو خود ہی اپنے شہر میں فساد برپا کرتے ہیں، جبکہ بے دین ملحد لوگ اس لشکر کی طرح ہیں جو باہر سے حملہ آور ہوتا ہے، اور عموماً اندرونی دشمن ہی قلعہ پر قبضہ کرتا ہے اسی لئے یہ چھپا ہوا دشمن ظاہری دشمن سے زیادہ خطرناک ہے" ②۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے خوارج کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے یہ ذکر کیا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے خوارج کو کافر قرار نہیں دیا تھا، فرماتے ہیں: " اور مسلمان اسی طریقہ پر گامزن رہے ہیں، اور مسلمانوں نے کبھی خوارج کو ان مرتدین کی مانند کافر قرار نہیں دیا جن سے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قتال کیا تھا، اس کے باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوارج سے لڑنے کا حکم دیا، انہیں آسمان کی چھت تلے بدترین مقتول قرار دیا، اور خوارج کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کو بہترین مقتول قرار دیا جیسا کہ جامع ترمذی وغیرہ میں ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی احادیث میں مذکور ہے، یعنی اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ خوارج مسلمان ہوتے ہوئے مسلمانوں کے لئے غیر مسلموں سے بڑا خطرہ ہیں، اور مسلمانوں کے لئے ان سے بدتر دشمن کوئی نہیں ہے، نہ یہودی نہ عیسائی، کیونکہ یہ ہر اس مسلمان کو قتل کرنے کے درپے ہیں جو ان سے موافقت نہ کرے، مسلمانوں کے خون، مال اور اولاد کے قتل کو

---

① مجموع الفتاوی (28/53-54)

② الموضوعات (1/51)

حلال سمجھتے ہیں، مسلمانوں کو کافر قرار دیتے ہیں اور جہالت کی اتاہ گہرائیوں میں غوطہ زن ہو کر گمراہ کن بدعات میں مبتلا ہونے کی وجہ سے اسی سب کچھ کو وہ دین سمجھتے ہیں"[1]۔

اور شریعت نے غضب الٰہی سے معتوب افراد اور اہل بدعت کی کتابوں کو پڑھنے سے سختی سے منع کیا ہے کیونکہ یہ ایک میٹھے زہر کی مانند ہے، جیسا کہ جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں: عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو اہل کتاب سے ایک کتاب ملی وہ اسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آئے، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غضب کی کیفیت طاری ہوگئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اے خطاب کے بیٹے! اس گمراہی کے گڑھے میں گرنے کی ٹھانی ہے؟! اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو دین میں تمہارے پاس لایا ہوں وہ بالکل صاف اور خالص ہے، اور اگر تم ان (یہودیوں) سے کچھ پوچھو گے تو اگر یہ تمہیں حق بتائیں تو ممکن ہے تم اسے جھٹلا دو اور اگر وہ باطل بتائیں تو ممکن ہے تم اس کی تصدیق کر دو، اور اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر موسیٰ علیہ السلام بھی آج زندہ ہوتے تو ان کے لئے میری اتباع کے سوا کوئی راستہ نہ ہوتا"[2]

تو اگر استفادہ کی غرض سے منسوخ شدہ آسمانی کتابوں پر نظر دوڑانا حرام ہے تو بدعت کی گمراہی اور کفر میں ڈوبے افراد کی کتابوں کا مطالعہ اس سے بڑھ کر حرام ہے، امام ذہبی میزان الاعتدال میں محمد بن زمخشری کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "وہ نیک آدمی تھا، لیکن مسلک اعتزال کا داعی تھا، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے پناہ میں رکھے، لہٰذا اس کی تفسیر کشاف سے محتاط رہو"[3] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ امام ذہبی کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: "امام محمد بن ابی جمرہ رحمہ اللہ نے اپنی شرح بخاری میں ایسے علماء کا ذکر کیا ہے جو بہت سے مسائل میں غلطیاں کرتے ہیں، اور اسی سیاق میں فرماتے ہیں: "بعض علماء ایسے ہیں جو زمخشری کی کتاب پڑھنے کو جائز سمجھتے ہیں اور اسے دیگر کبار اہل علم مثلاً ابن عطیہ وغیرہ پر مقدم کرتے ہیں، اور زمخشری کی کتاب کو تعظیماً "کشاف" کا نام دیتے ہیں"، مزید فرمایا: "اس تفسیر کشاف کا قاری اگر زمخشری کی چالبازیوں سے واقف ہو تو بھی اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ کرے کیونکہ وہ اپنی غفلت پر بے خوف نہیں ہوسکتا، اور عین ممکن ہے کہ وہ حالت غفلت میں پڑھ رہا ہو اور اس کا کوئی شبہ دل میں تیر کر جائے اور اسے احساس بھی نہ ہو سکے، یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ لاعلم لوگ اس عالم کو یہ کتاب پڑھتا پائیں تو وہ بھی اس کی تعظیم کرنے لگیں، جبکہ اس کا ایک جرم یہ بھی ہے کہ اس کتاب کو پڑھ کر وہ ایک مرجوح کتاب کو راجح پر مقدم کر رہا ہے، اور اگر یہ قاری سرے سے زمخشری کی چالبازیوں سے آگاہ ہی نہ ہو تو اس کے لئے یہ کتاب پڑھنا قطعاً جائز نہیں کیونکہ اس کی چالبازیاں اسے اپنی گرفت میں لے

---

[1] منہاج السنۃ (5/247-248)

[2] مسند احمد (3/387)

[3] میزان الاعتدال (3/351)

لیں گی اور اسے احساس تک نہ ہوگا پھر وہ بھی اعتزال اور ارجاء کے عقیدہ کا حامل ہو جائے گا، اور توفیق اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے"[1]۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اسی طرح گمراہ عقائد پر مشتمل کتابوں کو جلانے یا تلف کرنے پر کوئی جرمانہ نہیں ہے، امام مروزی رحمہ اللہ نے امام احمد رحمہ اللہ سے پوچھا: " اگر میں کوئی کتاب عاریتاً لوں اور پھر اس میں گمراہ باتیں پاؤں تو آپ کا کیا خیال ہے، کیا مجھے اس کتاب کو پھاڑ دینا یا جلا دینا چاہئے ؟، امام احمد نے فرمایا: " جی ہاں اسے جلا دیجئے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جسے تورات سے منقول کر کے لکھا گیا تھا اور اس کی قرآن سے موافقت عمر رضی اللہ عنہ کو بہت پسند آئی تھی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک یہ دیکھ کر غضب کی وجہ سے سرخ ہو گیا حتی کہ عمر رضی اللہ عنہ نے وہ کتاب جا کر ایک جلتے تندور میں ڈال دی"۔۔۔ پھر آگے چل کر ابن قیم مزید فرماتے ہیں: " مقصود کلام یہ ہے کہ ایسی کتابیں جو جھوٹ اور بدعات کا پلندہ ہوں انہیں تلف کرنا واجب ہے، اور ان کتابوں کا تلف کرنا آلات موسیقی اور شراب کے جاموں کے تلف کرنے سے بھی اولیٰ ہے، کیونکہ ان کتابوں کا ضرر آلات موسیقی وغیرہ کے ضرر سے کہیں بڑھ کر ہے، اور ان کتابوں کے تلف کرنے پر کوئی جرمانہ نہیں جیسا کہ شراب کے جاموں اور برتنوں کو توڑنے پر کوئی جرمانہ نہیں ہے"[2]۔

امام ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " حافظ سعید بن عمرو بردعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: میں ابو زرعہ رازی رحمہ اللہ کے پاس موجود تھا کہ ایک شخص نے حارث محاسبی اور اس کی کتابوں کے بارے میں پوچھا، تو ابو زرعہ رحمہ اللہ نے پوچھنے والے سے کہا: ان کتابوں سے بچ کر رہو، ان کتابوں میں محض بدعات اور گمراہی ہے"، کسی نے کہا: ان کتابوں میں بڑی نصیحت لکھی ہے، تو ابو زرعہ نے فرمایا: " جسے کتاب اللہ میں نصیحت نہ ملے اسے کسی کتاب میں نصیحت نہیں مل سکتی، کیا تمہیں معلوم ہوا ہے کہ سفیان، امام مالک اور امام اوزاعی نے ایسی کتابیں لکھی تھیں؟، افسوس لوگ بدعات کی طرف کتنی جلدی لپکتے ہیں"، امام ذہبی فرماتے ہیں: " حارث 243ھ میں فوت ہوا، اور اب حارث جیسا بھی کہاں ہے؟، کیا کیفیت ہوتی اگر امام ابو زرعہ ابو طالب کی کتاب " القوت " دیکھ لیتے ؟ اور " قوت " جیسی کتابیں بھی کہاں ہیں؟ کیا ہوتا اگر ابو زرعہ رحمہ اللہ ابن جهضم کی "بهجة الاسرار" دیکھ لیتے ؟ السلمی کی " حقائق التفسير "دیکھ لیتے ؟ ان کے تو ہوش اڑ جاتے، اور کیا کیفیت ہوتی اگر وہ غزالی کی کتابیں دیکھ لیتے اور ان کی کتاب " الاحیاء " میں موضوع احادیث کی کثرت دیکھ لیتے ؟، ان کی کیا کیفیت ہوتی اگر وہ شیخ

[1] لسان الميزان (651/6)
[2] الطرق الحكمية (282)

عبدالقادر کی" غنیہ" دیکھ لیتے ؟، کیا ہوتا اگر وہ" فصوص الحکم "اور"فتوحات مکیہ " دیکھ لیتے ؟، بلکہ جب حارث اپنی قوم میں مشہور ہوا تھا تو اس وقت اس کے ہم عصر ہزار سے زائد حدیث کے امام موجود تھے جن میں امام احمد رحمہ اللہ اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ جیسے علم کے پہاڑ تھے، اور جب حدیث کے امام ابن دخمیسی اور ابن شیحانہ جیسے لوگ بنے تو اس وقت صاحب الفصوص اور ابن سفیان جیسے لوگ علماء کے قلندر بن بیٹھے تھے، اس پر ہم اللہ تعالی سے عفوودرگزر کا ہی سوال کر سکتے ہیں"[1]۔

اور ہم کہتے ہیں: ان کی کیا کیفیت ہوگی اگر وہ ہمارے زمانے کی گمراہ کتابیں اور مقالات دیکھ لیں، جو سب کی سب سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے انحراف کی دعوت، عقیدہ توحید کے بگاڑ اور عقیدہ کے مخالفین کی ملمع سازی پر مشتمل ہیں؟اور یہ سب کچھ مسلمانوں کی یکجہتی کے بہانے کیا جاتا ہے، اللہ کی پناہ ایسی یکجہتی سے جو اللہ کے غضب کی مستحق ٹھہرے!۔

امام شاطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب بھی کوئی فرقہ ظاہر ہو جو گمراہی کی طرف بلائے اور اپنی چکنی چپڑی باتوں سے عام لوگوں کے دلوں میں گھر کر جائے تو ایسا فرقہ مسلمانوں کے لئے ابلیس سے زیادہ خطرناک ہے، اور یہ انسانی شیطان ہیں، لہذا ان کے بدعتی اور گمراہ ہونے کے بارے میں صراحت کرنا اور دلائل کی روشنی میں گزشتہ گمراہ فرقوں کی طرف انہیں منسوب کرنا نہایت ضروری ہے، چنانچہ ایسے لوگوں کے عیوب کو طشت از بام کرنا اشد ضروری ہے، کیونکہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینے سے مسلمانوں کو جو نقصان پہنچے گا وہ اس نقصان سے، بہت زیادہ ہے جو ان کے عیوب کو آشکار کرنے اور لوگوں کو ان سے متنبہ کر کے تفرقہ اور دشمنی کے اندیشہ کی صورت میں ہے، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مسلمانوں اور داعیان بدعت کے درمیان جدائی کرانا بہت آسان ہے جبکہ اگر داعیان بدعت کے ساتھ ان کے پیروکار اور ہمنوا بھی مل جائیں تو یہ علیحدگی کافی دشوار ہو جائے گی، اور اصل بات یہ ہے کہ جب دو ضرر جمع ہو جائیں تو ان میں سے نسبتاً ہلکے اور آسان کو اپنا لینا چاہئے، اور مکمل شر سے محفوظ رہنے کے لئے کم پر ہی اکتفاء کر لینا بہتر ہے، جیسا کہ ایسے ہاتھ کو کاٹ دینا چاہئے جو خراب ہو چکا ہو اور پورے جسم کو بیمار اور ہلاک کرنے کا سبب بن رہا ہو، تو اس ہاتھ کو تلف کرنا پورے جسم کو تلف کرنے سے بہتر ہے اور یہی شریعت کا طریقہ ہے کہ بسا اوقات بوجھل نتائج سے بچنے کے لئے ہلکے حکم کو بھی چھوڑ دیا جاتا ہے"[2]۔

محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اگر کوئی شخص کسی کو خارجیوں والا اجتہاد کرتا دیکھے کہ اس نے حاکم پر خروج کیا ،چاہے حاکم عادل ہو یا ظالم، اس نے ایک لشکر جمع کیا، اپنی تلوار کو بے نیام کیا مسلمانوں سے قتال کو جائز سمجھا تو وہ شخص اس

---

[1] میزان الاعتدال (1/431)

[2] الاعتصام للشاطبی (2/730-731)

خارجی کی تلاوت قرآن، نمازوں کے لمبے قیام، روزوں کے دوام اور علم شرعی میں حسن کلام سے ہرگز بھی دھوکہ نہ کھائے جب تک کہ وہ خوارج کے مذہب پر قائم ہو"[1]۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "کیونکہ آمدی اور اس جیسے دوسرے وہ افراد جن کے ہاں فلاسفہ کی بہت تعظیم ہے اور جو کتابیں انہوں نے اپنے زعم میں دین اسلام کی خدمت کے لئے تحریر کی ہیں ان کی بنیاد بھی انہوں نے انہی جاہل فلاسفہ کے اصول پر رکھی ہے کہ: "نفس انسانی کا کمال معقولات کے مکمل جاننے اور مجہولات کی آگہی سے حاصل ہوتا ہے"، اور پھر یہ لوگ فلاسفہ کے طریقہ پر چلے تو نفس انسانی کا کمال حاصل کرنا تو درکنار یہ حیرت، جہالت اور شک کے ایسے سمندر میں غرق ہو گئے کہ جس سے نجات اور حصول سعادت محض اللہ تعالی کی صحیح معرفت ہی کے ذریعہ ممکن ہے"[2]۔

امام ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مخالفین وحی نے اپنے افکار کو ایک انتہائی باطل بنیاد پر استوار کیا ہے کہ انہوں نے اپنی من گھڑت باتوں کو کہ جسے انہوں نے اپنے دین اور عقیدہ کا اصول قرار دیا ہوا ہے ان خود ساختہ باتوں کو تو یہ محکم سمجھتے ہیں لیکن اللہ تعالی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین مبارکہ کو یہ ایسے مشتبہات میں سے گردانتے ہیں جس سے (ان کے زعم میں) علم و یقین کا فیض ممکن ہی نہیں"[3]۔

تقلید اور اتباع

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "دیکھئے اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے کہ ہر ایک جس کی آپ بات سنیں خاص طور پر جو آپ کا ہم عصر ہو تو آپ جلد بازی نہ کریں اور کوئی نظریہ نہ اختیار کریں جب تک کہ آپ یہ دریافت نہ کرلیں اور خوب غور و فکر نہ کرلیں کہ آیا یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے یا کسی جید عالم دین نے کہی ہے؟"۔

مؤلف رحمہ اللہ کی یہ بات ہماری ایک انتہائی اہم مسئلہ میں رہنمائی کرتی ہے اور وہ ہے مسئلہ تقلید۔ اس مسئلہ کے متعلق امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "انسان کو چاہئے کہ وہ ظلم و جہالت کے علم برداروں کی راہوں سے بچے جو کہ خود کو علماء کے راستے پر گامزن خیال کرتے ہیں، جو بولتے تو بہت ہیں لیکن عمل کم کرتے ہیں، آپ ان میں سے کسی کو ایسے دیکھیں گے کہ گویا وہ علم کے بلند درجات پر فائز ہے لیکن درحقیقت وہ صرف دنیا کی زندگی کی ظاہری باتیں جانتا ہے اور سید ولد آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول حقیقی علم کے قریب بھی نہیں پھٹکا، اور اپنی کثرت قیل وقال کے ذریعہ کتنے ہی لوگوں کے مال اور عزتوں کو پامال

[1] الشریعة (1/145)

[2] درء التعارض (3/286)

[3] الصواعق المرسلة (3/990-991)

کر دیتا ہے، اور کچھ تو ان میں سے ایسے ظالم اور جاہل ہیں کہ اپنی گفتگو میں صغار علماء کا اسلوب بھی اختیار نہیں کر پاتے بلکہ ان کی گفتگو جاہل قصہ گو اور عام عوام کی طرز پر ہوتی ہے، وہ جید علما کی طرح مسئلہ کی درست منظر کشی اور جواب کی شائستہ تحریر کی صلاحیت ہی نہیں رکھتے، اسی طرح نہ ہی اس کے پاس مجتہد علماء کی طرح استدلال اور اجتہاد کا ملکہ ہے، بلکہ یہ نادان تو اماموں کے اقوال اور ان کے دلائل سے لاعلمی کی بنیاد پر کسی کی تقلید بھی درست انداز میں نہیں کر سکتا بلکہ اسا کے پاس تو فقہی مسائل میں ہم آہنگی پیدا کرنے کا بھی ملکہ نہیں ہوتا جس کے متوسط طبقہ کے فقہاء مالک ہوتے ہیں، اور احکام شرعیہ میں گفتگو کرتے ہوئے باطل اور تدلیس کو ہرگز بھی قبول نہیں کیا جائے گا جو کہ اہل بدعت کا وطیرہ ہے، جن کے علم کی سیرابی انوار نبوت سے نہیں ہے، بلکہ یہ لوگ تو محض اپنی رائے اور خواہشات پر مبنی بات کرتے ہیں اور جھوٹ اور تحریف کا سہارا لیتے ہیں، پھر یہ نالائق لوگ دین اسلام میں ایسی چیزیں داخل کر دیتے ہیں جن کا اس دین سے کوئی واسطہ نہیں، اگرچہ وہ اپنی گمراہی کے سبب یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ سب دین اسلام کا حصہ ہے، جبکہ دونوں کے درمیان زمین و آسمان کا فاصلہ ہے، اور بیشک یہ دین اللہ تعالی کی حفاظت میں محفوظ ہے۔۔۔" آگے چل کر مزید فرماتے ہیں: "رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "میری امت کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی، ان کے مخالف اور ان کی عزتوں کے درپے لوگ ان کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے یہاں تک کہ قیامت قائم ہو جائے گی" [1]۔ اور آپ ﷺ کا فرمان ہے: "ہر آنے والے لوگوں میں سے بہترین لوگ اس علم کا بیڑا اٹھائیں گے، جو غلو کرنے والوں کی (دین میں) تحریفات، اہل باطل کی تلبیسات اور جاہلوں کی تاویلات کا قلع قمع کریں گے" [2]، اور بدقسمتی یہ ہے کہ بہت سے فقہا اور عوام میں سے اکثر ایسے لوگ جو زہد و ورع اور دینداری کے اوصاف رکھتے ہیں وہ بھی ان بدعادات میں مبتلا ہیں، اور اصل بات تو یہ ہے کہ جس کسی کا علم اور عمل نبی ﷺ سے منقول علم پر مبنی نہ ہو وہ کبھی بھی خواہشات اور بدعات سے پاک نہیں ہو سکتا، امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں کہ ان دونوں اصحاب نے فرمایا: "سنت پر اکتفاء کرنا کثرت سے بدعات کرنے سے بہتر ہے"، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں " اپنے اعمال کا جائزہ لے لو چاہے وہ درمیانے ہوں یا زیادہ ہوں، ان اعمال کو منہج انبیاء اور سنت پر ہونا چاہئے"۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: "جس شخص نے اس دین میں کوئی ایسا کام ایجاد کیا جو اس میں پہلے سے داخل نہیں تھا تو اس کا یہ عمل مردود ہے" [3]، آگے چل کر شیخ الاسلام مزید فرماتے ہیں: " بکر بن عیاش رحمہ اللہ سے جب یہ کہا گیا کہ: مسجد میں

---

[1] صحیح بخاری (کتاب المناقب: 3442)

[2] مسند زید (599)

[3] صحیح بخاری: کتاب الصلح (2550)

چند افراد ہیں جب بھی وہ حلقہ لگاتے ہیں تو بہت سے لوگ ان کے گرد جمع ہو جاتے ہیں تو انہوں نے فرمایا: " جو لوگوں کے لئے بیٹھتا ہے تو لوگ اس کے پاس آ ہی جاتے ہیں، جبکہ اہل السنہ کا عالم یہ ہے کہ وہ فوت بھی ہو جاتے ہیں لیکن ان کا ذکر باقی رہتا ہے کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو زندہ کیا ہے،، جبکہ اہل بدعت کو ان کی موت کے ساتھ ہی فراموش کر دیا جاتا ہے کیونکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی بے توقیری کی تو اللہ تعالی نے انہیں بے نام ونشاں کر دیا، تو وہ بھی اللہ تعالی کے اس فرمان میں داخل ہیں کہ:

﴿إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ﴾ ترجمہ: " یقیناً تیرا دشمن ہی لاوارث اور بے نام ونشان ہے "[1]۔

اور بیشک اکثر لوگوں کی گمراہی کا سبب اندھی تقلید ہے، اور امام شاطبی رحمہ اللہ نے شرعی احکامات کی نسبت سے لوگوں کی تین اقسام بیان کی ہیں:

1. **مجتہد مطلق**۔ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ اپنے اجتہاد پر عمل کرے۔
2. **جملہ علوم سے نابلد شخص جو محض مقلد ہو**۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس کا کوئی رہنما ہونا چاہئے (جو اسے شرعی احکامات میں رہنمائی کر سکے)۔
3. جو مجتہدین کے درجہ کو نہ پہنچ سکے لیکن وہ شرعی دلائل اور ان کے اسباب نزول وورود سے واقف ہو، اور اصولی شرعی احکامات میں موجود علتوں کو فروعی مسائل میں منطبق اور ثابت کرنے کے معروف اسباب ترجیح سے آگاہ ہو[2]۔

امام شاطبی رحمہ اللہ نے اس آخری درجہ کو پہلے دو درجات کے درمیان متردد قرار دیا ہے، یعنی اگر اس کی ترجیحات اور قیاسات کو معتبر سمجھا جاتا ہے تو وہ پہلی قسم میں شمار ہوگا اور اگر معتبر نہیں سمجھا جاتا تو اس کا حکم ایک عام شخص کی مانند ہوگا۔ اور اسی درجہ کو بعض علماء نے " درجہ اتباع " قرار دیا ہے، اور اتباع اور تقلید کا فرق آگے چل کر بیان ہوگا۔

شیخ عبدالرحمن بن حسن آل الشیخ فرماتے ہیں: " کسی بھی امام کے پاس شریعت کا مکمل علم نہیں ہوتا، اس لئے ایک مسلمان کو چاہئے کہ جب اسے قرآن سے اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی دلیل مل جائے اور وہ اچھی طرح اس کا فہم حاصل کر لے تو پھر بس اسی پر رک جائے اور اسی پر عمل کرے چاہے جو بھی اس سے اختلاف کرتا رہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿اتَّبِعُوا مَا أُنْزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ﴾

ترجمہ: " (لوگو) جو کچھ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی پیروی کرو۔ اس کے علاوہ

---

[1] الرد على البكري "تلخيص كتاب الاستغاثة" (1/170-175)

[2] الاعتصام (343)

دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو"①۔

شیخ رحمہ اللہ نے جو شرط ذکر کی ہے کہ:" وہ اچھی طرح اس کا فہم حاصل کر لے" اس کا ضرور خیال کرنا چاہئے، اور اس بات میں کوئی شک نہیں کہ کتاب وسنت سے منہ موڑنے اور سلف صالحین کے منہج کے عدم اہتمام نے مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد کو اندھی تقلید میں لا گرایا ہے، بلکہ انہیں شریعت کی مخالفت میں لا کھڑا کیا ہے، اور آگے چل کر یہی معاملہ مسلمانوں میں تفرقہ اور گروہ بندیوں کا سبب بنا ہے۔

تقلیدِ محرم

ابن قیم رحمہ اللہ نے تقلیدِ محرم کی تین اقسام بیان کی ہیں:

1. آباؤ و اجداد کی اندھی تقلید میں کتاب اللہ سے منہ موڑنا اور اس کی طرف رجوع نہ کرنا۔
2. ایسے شخص کی تقلید کرنا جس کے بارے میں مقلد یہ جانتا نہ ہو کہ وہ اس بات کا اہل بھی ہے کہ شرعی معاملات میں اس کا قول لیا جائے یا نہیں؟
3. امام کے قول کے مخالف (قرآن وحدیث سے) دلیل آجائے تو بھی اس امام کی تقلید پر ڈٹے رہنا۔

تقلید سے ممانعت کس کے لئے ہے؟

ابن قیم رحمہ اللہ نے تقلیدِ محرم کی جو اقسام بیان فرمائی ہیں اسی سے اس سوال کا جواب معلوم ہو جاتا ہے، لہذا ہر وہ شخص جو کسی بھی طرح کی تقلیدِ محرم میں ملوث ہے وہ اس مذمت اور ملامت کا مستحق ہے جو معروف ائمہ کرام سے تقلیدِ محرم کے حوالہ سے منقول ہے۔

شیخ عبدالرحمن بن حسن آل الشیخ رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ کا یہ قول ذکر کرتے ہیں کہ:" مجھے ایسے لوگوں پر تعجب ہوتا ہے جو احادیث کی اسانید اور ان کی صحت کا علم رکھنے کے باوجود سفیان رحمہ اللہ (وغیرہ) کی رائے کو اپناتے ہیں" اور اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:" امام احمد رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام میں اس جانب اشارہ ہے کہ دلیل کا علم ہونے سے پہلے تقلید مذموم نہیں ہے، البتہ اگر دلیل کا علم ہو جائے اور پھر یہ مقلد محض کسی امام کے قول کی وجہ سے اسے ترک کر دے تو یہ عمل نہایت ہی مذموم ہے"②۔

---

① فتح المجید (345)

② فتح المجید (345)

کن مسائل میں تقلید جائز ہے؟ اور کس کے لئے جائز ہے؟

شیخ عبدالرحمن بن حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " تقلید صرف ان مسائل میں جائز ہے جو اجتہادی مسائل ہوں، جن میں قرآن وحدیث سے کوئی واضح دلیل میسر نہ ہو"[1]۔

امام شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اور اجتہاد صرف دو جگہوں پر جائز ہے: (۱) جن مسائل میں قرآن وحدیث کا کوئی حکم موجود نہ ہو۔ (۲) جن مسائل میں احکامات تو موجود ہوں لیکن بظاہر ان میں تعارض ہو، تو ان احکامات کے درمیان جمع کی صورت بنانے، یا کسی ایک حکم کو دوسرے پر راجح قرار دینے کے لئے اجتہاد کرنا جائز ہے[2]۔

اور تعارض کی صورت میں امام احمد رحمہ اللہ کا اصول یہ ہے کہ ترجیح دینے سے پہلے آثار صحابہ پر ضرور نظر دوڑائی جائے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اجتہادی مسائل میں اگر کوئی شخص بعض علما کی رائے کو اختیار کرتا ہے تو اس پر کوئی قدغن نہیں اور نہ ہی اس سے قطع تعلقی اختیار کی جائے گی، اسی طرح جو شخص (کسی اجتہادی مسئلہ میں) دو اقوال میں سے کسی ایک پر عمل کرتا ہے تو اس پر بھی کوئی پابندی نہیں، اور اگر کسی (اجتہادی) مسئلہ میں دو اقوال ہوں اور کسی شخص کو ان میں سے ایک قول (دلائل کی روشنی میں) زیادہ راجح معلوم ہو تو وہ اس پر عمل کرلے، اور اگر راجح و مرجوح کا فرق نہ کرسکے تو معتمد علما میں سے کسی کی تقلید کرلے"[3]۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ تقلید کس کے لئے جائز ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ ایسا شخص جو دین کے کسی مسئلہ میں حکم شرعی کی معرفت سے عاجز ہو تو اس کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ کسی ایسے عالم سے یہ مسئلہ دریافت کرے جس کے دین اور علم پر اس کو اعتبار ہو، اور اس کے فتوی کی تقلید کرے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: " اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث کے حکم کی معرفت سے عاجز ہو اور اس مسئلہ میں وہ اہل علم میں سے کسی کی پیروی کرے، اور اسے یہ بھی نہ معلوم ہو سکے کہ کسی اور عالم کا قول اس عالم کے قول سے راجح ہے تو اس شخص کا یہ عمل قابل تعریف و لائق تحسین ہے اور یہ شخص ثواب کا امیدوار ہے، نہ کہ مذمت اور گناہ کا"[4]۔

---

[1] فتح المجید (345)

[2] مذكر أصول الفقه على روضة الناظر (415)

[3] مجموع الفتاوی (20/207)

[4] مجموع الفتاوی (20/225)

اتباع اور تقلید میں فرق

امام شنقیطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "چوتھی تنبیہ: یہ بات ذہن نشین رکھئے کہ اتباع اور تقلید میں فرق کرنا نہایت ضروری ہے، اور جہاں اتباع کا مقام ہو وہاں تقلید قطعا جائز نہیں، اس بات کی وضاحت یوں سمجھئے کہ ہر وہ حکم اور مسئلہ جس کی دلیل قرآن سے یا حدیث سے یا مسلمانوں کے اجماع سے ثابت ہو، اس مسئلہ میں کسی کی تقلید کرنا جائز نہیں، کیونکہ دلیل کے مقابلہ میں اجتہاد باطل ہے، اور تقلید صرف وہیں کی جاسکتی ہے جہاں اجتہاد کی گنجائش ہو، اور اس لئے بھی کہ فرامین قرآن وحدیث، ائمہ مجتہدین کے لئے حاکم کی حیثیت رکھتے ہیں جن سے روگردانی کسی کے لئے بھی جائز نہیں، اور قرآن یا حدیث یا اجماع کی مخالفت میں تقلید کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ حق سے جدا ہوجانے پر کوئی قابل پیروی نہیں رہتا، لہذا جن مسائل میں واضح دلیل موجود ہو ان میں اتباع ہی لازم ہے، اور واضح دلائل کی موجودگی میں اجتہاد اور تقلید کا کوئی جواز نہیں، اور تقلید اور اتباع میں یہ فرق اہل علم کے ہاں معروف ہے، اور اس حوالہ سے اہل علم میں کوئی اختلاف نہیں ملتا"[1]۔ اس کے بعد شیخ شنقیطی رحمہ اللہ نے وحی پر عمل پیرا ہونے کو اتباع کہنے اور تقلید نہ کہنے کے سبب کو بیان فرمایا کہ آیات قرآنی میں اس کو اتباع ہی کہا گیا ہے، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَاۗءَ﴾ (الاعراف 3)

ترجمہ: "(لوگو) جو کچھ تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے اس کی اتباع کرو۔ اس کے علاوہ دوسرے سرپرستوں کی پیروی نہ کرو"، اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَاتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (الزمر 55)

ترجمہ: اور اس بہترین (کتاب) کی اتباع کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہاری جانب اتاری گئی ہے" اور اللہ تعالی کا فرمان ہے" ﴿قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ رَّبِّيْ﴾ (الاعراف (203) " ترجمہ:" میں تو صرف اس چیز کی اتباع کرتا ہوں جو میرے پروردگار کی طرف سے مجھ پر وحی کی جاتی ہے"۔

ابن قیم رحمہ اللہ نے اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ دینی مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال پر عمل پیرا ہونا اتباع کے قبیل سے ہے تقلید نہیں ہے۔

تقلید کے ضوابط

1 ایک مقلد پر یہ لازم ہے کہ اگر وہ کسی کی تقلید کرے تو اس کے عالم ہونے کی حیثیت سے اس طرح تقلید کرے کہ اس عالم کے علم سے استفادہ کرے (نہ کہ شخصیت پرستی میں مبتلا ہو)، اور اگر اسے معلوم ہوجائے یا غالب گمان ہو کہ وہ عالم کسی مسئلہ میں غلطی کا شکار ہے تو (اس مسئلہ میں) اس کی تقلید سے رک جائے، کیونکہ ہر شخص سے بہر حال غلطی کا امکان رہتا ہے۔

---

[1] اضواء البیان (7/547-548)

2 جس شخص کی تقلید میں شرعی خطا واضح ہو اس کی تقلید پر ڈٹا نہ رہے۔

3 ایک عام آدمی پر یہ لازم ہے کہ وہ صرف اس سے فتوی دریافت کرے جو فتوی دینے کا اہل ہو، اور جب فتوی کے اہل ایک سے زائد ہوں تو اسے اختیار ہے کہ ان میں سے جس سے چاہے فتوی پوچھ سکتا ہے۔

4 کسی ایک معین مسلک پر چلنے کو واجب قرار دینا اور کسی ایک خاص عالم کے ہر قول ورائے پر عمل کو واجب قرار دینا بالکل باطل ہے، اور جو شخص ایسا کہتا یا کرتا ہے وہ اہل بدعت میں سے ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "مسلمانوں میں سے کسی پر بھی کسی ایک معین عالم کی ہر بات کی تقلید (یعنی تقلید شخصی) واجب نہیں"[1]۔

اور جو شخص اپنی نسبت کسی عالم کی طرف کرتا ہو تو اس کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہ اس عالم کی بنیاد پر کسی سے دشمنی یا دوستی کرے، اور ایسا کرنے والا بدعتی شمار ہوگا، شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "جس نے کسی شخصیت کو سامنے رکھ کر چاہے وہ کوئی بھی ہو اس کے قول اور فعل سے موافقت کو دوستی اور دشمنی کا معیار بنایا تو یہی وہ لوگ ہیں (جو اللہ تعالی کے اس فرمان) ﴿مِنَ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا﴾ ترجمہ: جنہوں نے اپنا دین الگ کرلیا اور گروہوں میں بٹ گئے" کا مصداق ہیں[2]۔ ایک اور جگہ شیخ الاسلام رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "ایسی نسبت جو مسلمانوں کے درمیان تفریق پیدا کردے، جماعتی وحدت پارہ پارہ ہوجائے، گروہ بندیاں ہوجائیں، بدعات کے راستے کھل ہوجائیں، سنت اور اتباع چھوٹ جائے تو ایسی نسبتوں کو اختیار کرنے کی ممانعت ہے، اور ایسا کرنے والا شخص گناہ گار اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے"[3]۔

اتباع کا ایک اہم قاعدہ

جو مجتہد نہ ہو تو شرعی معاملات میں اس کی غلطی حق سے انحراف ہے، اور اس غلطی کا سبب خواہش پرستی، متشابہات کی پیروی اور جماعت سے دوری ہے، اس غلطی کا مدخل یہ ہے کہ وہ شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کا امام یا وہ خود اہل اجتہاد میں سے ہیں، اور ان کا قول معتبر ہے، اور یہ غلطی یا تو کسی جزئی مسئلہ میں ہوتی ہے اور یہ نسبتاً ہلکا معاملہ ہے، یا پھر کلیات شریعت میں ہوتی ہے چاہے یہ کلیات عقیدہ سے متعلق ہوں یا عمل سے، اور اس معاملہ میں آپ عموماً دیکھیں گے کہ وہ محض بعض جزئیات کا علم لے کر اس کے ذریعہ شریعت کے مسلمات پر حملہ آور ہوگا اور اسے ڈھانے کی کوشش کرے گا، اور پھر حال یہ ہوگا کہ وہ اپنی سطحی فہم کے ذریعہ جو رائے قائم کرے گا اسے ہی اختیار کرے گا اور شریعت کے معانی ومقاصد سے اسے کوئی سروکار نہیں ہوگا، وہ اپنے لئے نہ تو قرآن وحدیث کے دلائل کی ضرورت محسوس کرکے ان کی طرف رجوع کرے گا اور نہ ہی ان دلائل

---

[1] مجموع الفتاوی (20/209)

[2] مجموع الفتاوی (20/292)

[3] مجموع الفتاوی (11/514)

کے لئے فہم صحابہ کو تسلیم کرے گا[1]۔ اس رویے کے چند اہم اسباب درج ذیل ہیں:

- نفس انسانی میں وہ چھپی ہوئی خواہشات جو واضح دلیل پر عمل کو چھوڑنے پر اکساتی ہیں۔
- طلب علم کے فوائد کے حصول میں جلد بازی کرنا، اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک ادنی طالب علم خود کو مجتہد مطلق کے درجہ میں گمان کرتا ہے۔
- شریعت کے مقاصد سے نابلد ہونا۔

چند ایسے اسباب کا ذکر جو اللہ کی توفیق سے تفرقہ بازی اور اختلاف سے بچا سکتے ہیں:

1. علمِ شرعی کے ہر باب کی نشر و تبلیغ شریعت کا مقصود نہیں ہے، بلکہ شرعی علم کے غالب حصہ کی نشر و تبلیغ تو مطلوب ہے، البتہ کچھ حصہ ایسا ہے جس کی عوام میں نشر کی یا تو قطعا ممانعت ہے یا حالات، زمانہ اور افراد کے پیش نظر اس کا حکم تبدیل ہوتا رہتا ہے، اور یہ حصہ اگرچہ حق ہوتا ہے لیکن عوام میں اس کی تبلیغ سے فتنہ کا اندیشہ ہوتا ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ: "لوگوں کو ایسی احادیث بیان کرو جو وہ سمجھ سکتے ہوں" اور ایک روایت کے الفاظ ہیں: "جو ان کی عقلوں میں سما سکتی ہوں، کیا تم یہ چاہتے ہوں کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلا دیا جائے"[2]۔ اور صحیح بخاری و مسلم کی حدیث جو کہ جناب معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے توحید کا اجر سننے کے بعد فرمایا: "کیا میں لوگوں کو اس کی خوشخبری نہ دے دوں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم انہیں اس کی خوشخبری نہ دینا ورنہ وہ اسی پر تکیہ کر کے بیٹھ جائیں گے"[3]۔

اور صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ: "ایک شخص امیر المومنین جناب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہنے لگا: فلاں آدمی کہہ رہا تھا کہ اگر امیر المومنین فوت ہو گئے تو ہم فلاں شخص کی بیعت کر لیں گے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "آج شام کو میں (خطبہ کے لئے) کھڑا ہو کر ان بد معاشوں کو متنبہ کروں گا جو صحابہ کرام کو اشتعال

---

[1] عصر حاضر میں اس کی سب سے واضح مثال خود ساختہ اسکالر جاوید غامدی ہیں جنہوں نے دین آسان ہے کے خوبصورت نعرے تلے مسلمات دین کو ڈھانے کی پوری کوشش کی ہے، جو علماء اسلام کے بیان کردہ اصول و مبادی پر اپنے خود ساختہ نقد و تحقیق کے گھوڑے دوڑا کر عوام الناس کو یہ باور کرانے کی بھرپور کوشش کرتے رہے کہ متقدمین و متاخرین تمام علماء دراصل ظالم انسانیت تھے جنہوں نے لوگوں پر ہر مفید چیز کو حرام کر دیا تھا، اور پھر جاوید صاحب ہی ایک وہ یکتائے روزگار، محسن انسانیت، علمی شخصیت ہیں جنہوں نے لوگوں کو اس ظلم و استبداد سے نجات دلائی ہے۔ جاوید صاحب کے انسانیت پر کئے گئے چند خود ساختہ احسانات یوں ہیں:
(۱) موسیقی حلال ہے۔ (۲) مرد و زن کے اختلاط میں کوئی حرج نہیں۔ (۳) سود لینا نہیں چاہئے البتہ سود دینا جائز ہے۔ (۴) پردہ کرنا واجب نہیں۔ (۵) خواتین ہر کھیل کے لحاظ سے اس کا مخصوص لباس پہن سکتی ہیں۔ (۶) تمثیل کاری (اداکاری) میں کیا گیا نکاح جس میں ایجاب و قبول بھی ہوا اور اسی طرح تمثیل کاری کے تقاضوں (!) کے تحت دی گئی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ (۷) داڑھی کا اسلام سے تعلق نہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے احسانات ہیں جو جاوید صاحب نے اس امت پر کیے ہیں اور نجانے کتنے ہیں جن کا ہونا باقی ہے۔ اس روش کی بنیادی وجہ وہی ہے جو مؤلف رحمہ اللہ نے اتباع کے قاعدہ کے تحت ذکر فرمائی ہے۔

[2] صحیح بخاری (کتاب العلم: 125)
[3] صحیح بخاری (کتاب العلم: 126)

دلانا چاہتے ہیں"، تو میں نے کہا: آپ ایسا نہ کیجئے، ابھی حج کا موسم ہے ہر قسم کے لوگ جمع ہیں وہ آپ کی مجلس پر چھا جائیں گے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ آپ کی بات کا درست مطلب سمجھنے کے بجائے اپنے اپنے مطلب تراشتے پھریں گے، آپ ذرا مدینہ پہنچنے تک ٹھہر جائیں جو کہ دار ہجرت ہے اور سنت کا قلعہ ہے، آپ وہاں مہاجرین اور انصار صحابہ کے ساتھ مجلس فرمائیں وہ آپ کی بات کو صحیح طور پر ذہن نشین رکھیں گے اور اس کے درست معنی ہی اخذ کریں گے، تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اللہ کی قسم میں مدینہ پہنچتے ہی سب سے پہلے اسی حوالہ سے بات کروں گا"۔

(2) ایک ابتدائی طالب علم کو منتہی طالب علم والی تعلیم نہ دی جائے، بلکہ تفصیلی علوم سے پہلے ابتدائی علوم سے روشناس کرایا جائے، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ﴾ ترجمہ: "تم اللہ والے بن جاؤ کیونکہ تم کتاب الٰہی لوگوں کو سکھلاتے ہو اور اس وجہ سے کہ خود بھی پڑھتے ہو"، اس فرمان الٰہی کے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "وہ لوگوں کو بڑے علوم کی تعلیم سے پہلے ابتدائی علوم کی تربیت دیں"۔

(3) سد الذرائع کے قاعدہ کا خیال رکھنا[1]۔ اور یہ ذرائع دو انواع پر مشتمل ہیں: (۱) کسی عمل کو انجام دینے میں مصلحت زیادہ ہو اور فساد کم ہو۔ (۲) کسی کام کی انجام دہی میں خرابی زیادہ ہو اور فائدہ کم ہو۔ اور یہ دوسری نوع چار اقسام پر مشتمل ہے:

1. ایسا عمل جو ہمیشہ فساد کی طرف لے جانے کا ذریعہ بنے۔ جیسا کہ کسی نشہ آور مشروب کو پینے سے ہمیشہ نشہ ہی طاری ہوتا ہے، اور زنا کرنے سے حرمتیں پامال ہوتی ہیں اور نسب و نسل میں شکوک شبہات پیدا ہو جاتے ہیں۔
2. ایسا عمل جو خود تو جائز ہو لیکن اس عمل کو کسی حرام کا ذریعہ بنا لیا جائے۔ جیسا کہ حلالہ کرنے کے لئے نکاح کرنا۔
3. ایسا عمل جو خود تو جائز ہو اور اسے حرام کام کا ذریعہ بھی نہ بنا یا جائے لیکن عمومی طور پر وہ کام فساد کی طرف لے جائے۔ جیسا کہ ممنوعہ اوقات میں نماز ادا کرنا، بیوہ کا دوران عدت زیب و زینت اختیار کرنا۔
4. ایسا عمل جو خود مباح ہو اور کبھی کبھار ہی فساد کا ذریعہ بنے[2]، اور عموماً اس کا فائدہ اس کے نقصان سے زیادہ ہو، جیسا کہ رشتہ کرنے سے پہلے ایک نظر لڑکی کو دیکھ لینا اور اسی طرح ممنوعہ اوقات میں ایسی نمازیں ادا کرنا جن کا کوئی سبب ہو[3]۔

اور سد ذرائع کے قاعدہ کے حوالہ سے قرآن و حدیث میں کافی مثالیں موجود ہیں، جیسا کہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ترجمہ: "اور دشنام مت دو ان کو جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ

---

[1] سد ذرائع سے مراد ایسے اعمال کی روک تھام کرنا ہے، جو خود تو حرام نہ ہوں البتہ وہ حرام کی طرف لے جانے کا باعث ہوں اور اسی وجہ سے انہیں بھی حرام قرار دیا گیا ہو، یا ان کے برے نتائج کے پیش نظر ان سے بچنے کی تلقین کی گئی ہو۔

[2] تو ایسا عمل جب بھی فساد کا ذریعہ بنے گا وہ چاہے مباح ہی کیوں نہ ہو اس وقت اسے حرام ہی قرار دیا جائے گا۔

[3] جیسا کہ تحیۃ المسجد، تحیۃ الوضوء، یا نماز جنازہ وغیرہ۔

کر عبادت کرتے ہیں پھر وہ براہ جہل حد سے گزر کر اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کریں گے"[1]۔ تو اللہ تعالی نے مشرکین کے معبودان باطلہ پر دشنام طرازی سے منع فرمادیا کیونکہ یہ اللہ تعالی کی شان میں گستاخی کا باعث بنتی ہے، جبکہ جناب باری تعالی میں گستاخی سے روکنے کی مصلحت معبودان باطلہ پر دشنام طرازی کی مصلحت سے کہیں بڑھ کر ہے، اور یہ حکم اس بات کی تنبیہ ہے بلکہ یوں کہیں کہ بالکل صراحت ہے کہ ایسا جائز کام جو حرام کام کا ذریعہ بنے وہ بھی ناجائز ہے۔

اس کی ایک اور مثال اللہ تعالی کا موسی اور ہارون علیہما السلام سے یہ خطاب ہے کہ

﴿اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى﴾ (طٰہ 43-44)

ترجمہ: "ہاں، فرعون کے ہاں جاؤ، وہ بڑا سرکش ہوگیا ہے۔ دیکھو، اسے نرمی سے بات کہنا، شاید وہ نصیحت قبول کرلے یا (اللہ سے) ڈر جائے"۔ اللہ تعالی نے موسی اور ہارون علیہما السلام کو اپنے سب سے بڑے منکر اور سرکش دشمن کے لئے بھی یہ حکم دیا کہ اس سے نرمی سے بات کرنا، تاکہ کہیں بات کی سختی اسے حق سے متنفر کرنے اور اس کی بے صبری کا ذریعہ نہ بن جائے اور اس پر حجت قائم نہ ہوسکے، جبکہ وہ سخت سے سخت بات کا مستحق تھا، لیکن اللہ تعالی نے موسی اور ہارون علیہما السلام کو اس جائز سختی کو بھی اختیار کرنے سے منع فرمادیا تاکہ اس سختی کے وہ نتائج برآمد نہ ہوں جو اللہ تعالی کو ناپسند ہیں۔

اس کی ایک اور مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقین کو قتل نہ کرنا ہے، تاکہ کہیں یہ قتل وغارت لوگوں کو اسلام سے متنفر نہ کردے اور تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو قتل کرتے ہیں، کیونکہ یہ بات اسلام کو قبول کرنے اور نہ کرنے والے دونوں کے لئے اسلام سے نفرت کا باعث بنتی، اور اسلام سے نفرت کا نقصان منافقین کو قتل نہ کرنے کے نقصان سے کہیں زیادہ ہے، اور لوگوں کے دلوں میں اسلام سے الفت پیدا کرنے کی مصلحت منافقین کو قتل کرنے کی مصلحت سے کئی گنا زیادہ ہے۔

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالی نے مکی دور میں مسلمانوں کو مشرکین کی زیادتیوں کا بدلہ لینے اور مقابلہ کرنے سے منع فرمادیا تھا، کیونکہ انتقام لینا اور دوبدو مقابلہ کرنا ایک بہت بڑے بگاڑ اور خرابی کا سبب بن سکتا تھا جو کہ ان کی اذیت برداشت کرنے اور اس پر صبر کرنے کی مشقت سے کہیں بڑھ کر تھا، اور مسلمانوں کی جان، اہل وعیال اور دین کی حفاظت کی مصلحت انتقام لینے اور مقابلہ کرنے کی مصلحت سے کہیں زیادہ تھی۔

اس کی ایک اور مثال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکمرانوں پر خروج کرنے اور ان سے قتال کرنے سے منع فرمایا ہے جب تک کہ وہ نماز قائم کرتے ہوں، چاہے یہ حکمران ظلم وستم ہی کیوں نہ روا رکھیں، اور یہ ممانعت دراصل اس بہت بڑے فساد اور شر کے دروازے کو بند کرنے کے لئے تھی جو کہ بدقسمتی سے آج واقع ہوچکا ہے، آج حکمرانوں کے خلاف خروج

---

[1] الانعام (108)

کرنے اوران سے قتال کرنے سے جوفساد پھیلا ہے وہ ان حکمرانوں میں موجود فساد سے کہیں زیادہ ہے، اورامت محمد یہ آج بھی اس خروج کے نتائج بھگت رہی ہے، جبکہ نبی ﷺ کا فرمان ہے: "اگر دو خلیفوں کی بیعت ہوجائے تو بعد والے خلیفہ کو قتل کردو" [1] اور یہ حکم فتنہ وفساد کا باب بند کرنے لئے تھا۔

[1] صحیح بخاری ومسلم

قال رحمه الله تعالى:" واعلم أن الخروج من الطريق على وجهين: أما أحدهما: فرجل قد زل عن الطريق وهو لا يريد إلا الخير، فلا يقتدى بزلته فإنه هالك. وآخر عاند الحق وخالف من كان قبله من المتقين، فهو ضال مضل شيطان مريد في هذه الأمة، حقيق على من يعرفه أن يحذر الناس منه ويبين للناس قصته؛ لئلا يقع في بدعته أحد فيهلك"

مؤلف رحمہ اللہ فرماتے ہیں:" جان لیجئے اللہ تعالی آپ پر رحم فرمائے راہ راست سے بھٹکنے کی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہ کہ ایک شخص گو خیر کا طالب تھا لیکن وہ راہ راست سے بھٹک گیا، ایسے شخص کی غلطی کی پیروی نہیں کی جائے گی، کیونکہ وہ بہر حال ہلاکت کا شکار ہے، دوسرا وہ شخص جو دانستہ حق سے تجاوز کرے اور گزشتہ نیکوکاروں کی مخالفت اختیار کرے، تو ایسا شخص گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا بدطینت شیطان ہے، اور جو شخص اس سے واقف ہوا سے چاہئے کہ وہ دیگر لوگوں کو اس سے متنبہ کرے اور اس کا پردہ فاش کرے، تا کہ کوئی شخص انجانے میں اس کی بدعت میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جائے"۔

اہل باطل کی گمراہیوں کی وضاحت نہایت ضروری ہے

شرح ووضاحت:

مؤلف رحمہ اللہ کے اس کلام میں جو پہلے شخص کا ذکر ہوا ہے جس کا ارادہ تو نیک تھا لیکن وہ اپنی غلطی سے راہ راست سے بھٹک گیا، تو یہاں پر ایک بات اچھی طرح ذہن نشین ہونی چاہئے کہ ایسے اہل علم جو اپنا انتساب سنت اور حدیث کی طرف کرتے ہوں تو ان سے وقوع پذیر غلطیوں کے پیش نظر ان پر مناسب حکم لگانے کی ذمہ داری کو اہل سنت کے محض کبار علماء ہی بہتر طور پر انجام دے سکتے ہیں، جو اصول شریعت، مقاصد اور قواعد سے اچھی طرح آگاہ ہوں، تو ان علماء کی جانب سے اس شخص کے متعلق جو حکم لگایا جائے گا وہ یقینا علم اور عدل پر مبنی ہوگا، اور یہی علماء ہیں جنہوں نے حق دین اور حقوق مؤمنین دونوں کو ملحوظ خاطر رکھا ہے۔

اختلاف کی وضاحت کے چند اہم اصول وضوابط

اور یہاں چند اہم اصول وضوابط کا تذکرہ نہایت ضروری ہے جن کی روشنی میں ایسے شخص سے جو اہل سنت کا مخالف ہو کسی قسم کا تعامل و برتاؤ کیا جائے گا:

1 ایسے مسائل سے آگاہی ضروری ہے جن میں اختلاف ہے اور اس میں انداز گفتگو سے واقف ہونا، اور اس بات کا علم ہونا بھی ضروری ہے کہ حق ان مسائل میں نفی میں ہے یا اثبات میں ہے۔

2 شبہ اور گمان کی بنیاد پر کسی چیز کو حق اور باطل یا قابل تعریف اور قابل مذمت قرار نہیں دیا جاسکتا۔

3 علماء کے جملوں کے مفہوم اور بناوٹ کی بنیاد پر کسی مسئلہ میں ان کے موقف کا تعین کرنا درست نہیں، بلکہ کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے دو جانب نظر دوڑانا ضروری ہے:

1 کہنے والے نے اگر خود اپنی بات کی وضاحت کی ہو تو اس کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔

2 اس عالم کی بات کو اس کے اصول کی روشنی میں پرکھنا چاہئے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "فقہاء کے کلام کے عمومی مفہوم سے ان کا موقف حاصل کرنا، اور اس حوالہ سے ان کی اپنی وضاحت کی جانب رجوع نہ کرنا اور نہ ہی اس تعلق سے ان کے اپنے اصولوں کو مدنظر رکھنا آدمی کو قبیح موقف کی جانب لے جاتا ہے"[1]۔

4 کسی مسئلہ میں اہل سنت کے برخلاف موقف رکھنے والا تین شرائط کی موجودگی میں ملامت سے بچ سکتا ہے:

1 اس کی یہ مخالفت کسی جزوی مسئلہ میں ہو۔

2 مخالفت پر مبنی یہ موقف ایسے اجتہاد کا نتیجہ ہو جس میں اس نے اپنی وسعت کے مطابق تلاش حق میں خوب محنت کی ہو۔

3 اس کے پاس درست اجتہادات اور سنت کی اتباع کا اتنا ذخیرہ ہو جو اس غلطی کی تلافی کا سامان بن سکے[2]۔

5 مخالفت اختیار کرنے والے کی قدر و منزلت اور اس کی نیک نیتی کو ملحوظ خاطر نہیں رکھا جائے گا بلکہ اس کی قدر و منزلت کا اعتراف کرتے ہوئے اور اس کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کی غلطی پر رد کرنا ضروری ہے۔

سلف صالحین نے ابتدا ہی سے علماء کی لغزشوں سے متنبہ کیا ہے اور بار بار متنبہ کرتے رہے ہیں، اور اسی تعلق سے سلف صالحین عموماً معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بھی ذکر فرماتے ہیں کہ معاذ بن جبل تقریباً ہر روز اپنے خطبہ میں یہ بات فرمایا کرتے تھے کہ: "اللہ تعالی حاکم ہے اور انصاف قائم کرنے والا ہے، شک میں پڑنے والے ہلاک ہوگئے، بے شک تمہارے پیچھے بہت سے فتنے آنے والے ہیں جس میں مال کی کثرت ہوگی اور قرآن عام ہوجائے گا، یہاں تک کہ وہ مومن اور منافق، مرد و عورت، چھوٹا اور بڑا، آزاد اور غلام سب کی دسترس میں ہوگا، پھر ممکن ہے کہ کوئی کہنے والا یہ بات کہے کہ: "آخر لوگ میرے پیچھے کیوں نہیں چلتے جبکہ میں نے قرآن پڑھ رکھا ہے؟، یہ میرے پیچھے اس وقت ہی چلیں گے جب میں قرآن کے علاوہ کوئی

---

[1] الصارم المسلول (512/2)

[2] مجموع الفتاوی (13/64-95)

اور نئی بات لے کر آؤں گا"، خبردار اس کی نئی بات سے بچنا، کیونکہ اس کی یہ نئی بات یقیناً گمراہی ہے، اور تم نیک اور دانا آدمی کی غلطی سے بھی متنبہ رہو، کیونکہ شیطان کبھی کبھار نیک و دانا آدمی کی زبان سے بھی گمراہی کا کلمہ نکلوا سکتا ہے، اور کبھی کبھار منافق بھی کلمہ حق کہہ سکتا ہے اور جہاں سے بھی حق سنو اسے حاصل کرلو کیونکہ حق (کی نشانی ہے کہ اس) پر نور ہوتا ہے" معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ: "نیک و دانا کی گمراہی کیسے معلوم ہو؟"، تو معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "نیک اور دانا کی ایسی بات جو تمہیں دہلا دے اور تم سوچ میں پڑ جاؤ کہ یہ اس نے کیسی بات کہی ہے؟، البتہ یہ اجتناب صرف اسی حد تک ہونا چاہئے اور اس وجہ سے اس سے تعلق ختم نہیں کرنا، کیونکہ ممکن ہے کہ وہ اپنی اس رائے سے رجوع کرلے، اور علم اور ایمان تا قیامت اپنی جگہ موجود رہیں گے جو انہیں تلاش کرے گا وہ انہیں پالے گا"[1]۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: عالم کی لغزشیں اس کے پیروکاروں کے لئے ہلاکت خیز ہیں"، پوچھا گیا وہ کیسے؟، تو ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: " ایک عالم اپنی رائے سے کوئی بات کہتا ہے پھر اسے اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے کسی عالم کی بات ملتی ہے تو وہ عالم تو اپنی رائے ترک کر دیتا ہے، لیکن اس کے پیروکار اس کی رائے پر ہی ڈٹے رہتے ہیں"۔

ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب ہمیں عالم کی لغزشوں سے متنبہ کیا گیا ہے اور ہمیں آگاہ کیا گیا ہے کہ ہم پر جس چیز کا سب سے زیادہ خطرہ ہے وہ بھی عالم کی لغزش ہی ہے، اس کے باوجود ہمیں یہ حکم بھی دیا گیا ہے کہ ہم عالم سے دوری اختیار نہ کریں، لہذا ایسا شخص جس کو اللہ تعالی نے اسلام کے ذریعہ شرح صدر عطا فرمائی ہو اگر اسے کسی امام کا (دلیل کے لحاظ سے) کوئی کمزور قول ملے تو اسے اس امام کے مقلدین سے ذکر نہ کرے[2]، بلکہ اگر اسے اس قول کی اس امام کی طرف نسبت صحیح ہونے کا یقین ہو تو اس قول کے متعلق خاموشی اختیار کرے اور اگر اسے اس کی نسبت میں شک ہو تو اسے اس امام کا قول گردانے میں توقف اختیار کرے، کیونکہ بہت سے اقوال جو اماموں کی طرف منسوب ہیں ان کی نسبت میں کوئی حقیقت ہی نہیں ہے، اور بسا اوقات ان اماموں کے پیروکار بہت سے مسائل کا امام کے ذکر کردہ قاعدہ کی بنیاد پر استنباط کرتے ہیں، جبکہ اگر امام کے علم میں ہوتا کہ اس قاعدہ کو اختیار کرنے سے ایسے مسائل لازم آتے ہیں تو وہ ہرگز بھی ان قواعد کا التزام نہ کرتے، اسی لئے یہ ایک اصول ہے کہ کسی امام کے قول سے اگر کوئی مسئلہ لازم آتا ہو تو اس مسئلہ کو بھی امام کی طرف منسوب کرنا جائز نہیں، البتہ شرعی دلائل سے جتنے بھی مسائل لازم آتے ہوں وہ سب شریعت کی طرف منسوب کئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالی کے قول میں کوئی تناقض نہیں ہے، اس لئے اللہ تعالی کے ہر فرمان سے جو مسئلہ بھی لازم آئے وہ حق ہے، البتہ

---

[1] سنن ابوداود: کتاب السنۃ (4611)

[2] تاکہ مقلدین کہیں اپنے امام کے اس کمزور قول کی تقلید ہی نہ شروع کردیں۔

اللہ تعالی کے سوا باقی ہر مخلوق کا معاملہ دوسرا ہے، ممکن ہے کہ وہ ایک بات کہے لیکن اس بات سے جو اور مسائل لازم آتے ہوں وہ ان سے ناواقف ہو، اور اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس کے قول سے یہ مسئلہ لازم آتا ہے تو وہ یہ بات کہتا ہی نہیں، اسی لئے کسی امام کے قول سے اگر کوئی مسئلہ لازم آتا ہو تو اس مسئلہ کو اس کی طرف منسوب کرنا اور یہ کہنا کہ یہ بھی اس امام کا قول ہے جبکہ اس نے ایسا کہا ہی نہ ہو یہ جائز نہیں۔

عصر حاضر کے غیر سلفی علماء کی تحریروں کے خطرناک نتائج

1 لوگوں کو ایسے خود ساختہ دانشوروں سے منسلک کر دینا جو سلف صالحین کے طریقہ پر گامزن علماء میں سے نہ ہوں، جس کا انتہائی بدترین نتیجہ یہ برآمد ہوتا ہے کہ مسلمانوں اور قرآن وحدیث کو فہم سلف صالحین کی بنیاد پر سمجھنے کے درمیان یہ دانشور حائل ہو جاتے ہیں، یہ لوگوں کو علماء سے یہ کہہ کر بے رغبت کرتے ہیں کہ یہ لوگ تو کتابوں میں ڈوبے ہوئے ہیں، اپنے آپ میں بند ہیں، انہیں نہ سیاست کا پتا ہے نہ حالات وواقعات کا، اور ان سب باتوں کا حتمی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس امت کے نوجوان عقیدہ توحید، حفاظتِ سنت وتعلیم حدیث کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ تو بس سطحی قسم کی باتیں ہیں۔

2 سیاست کو شریعت پر غالب کرنا۔ لہذا آپ ملاحظہ کریں گے کہ ان کی دعوت کا بیشتر حصہ محض سیاست پر مبنی ہے، اور اس معاملہ میں وہ ان سیکولر لوگوں کے مشابہ ہو جاتے ہیں جو بس دنیا کی ظاہری زندگی کے احوال سے واقف ہیں اور اخروی زندگانی سے غافل ہیں، اور ان کا یہ معاملہ بالآخر ان کی دعوت الی اللہ کی مہم کو متاثر کرتا ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ یہ مسلمانوں کو پہنچنے والے مصائب اور تکالیف کا ذمہ دار محض دشمنان اسلام کو ہی ٹھہراتے ہیں، جبکہ یہ طرزِ فکر درحقیقت منہج الٰہی اور تعلیمات نبوی سے کوسوں دور ہے اور اس اندازِ فکر کے بڑے نقصانات اور منفی اثرات ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

- امراض امت کی تشخیص اور طریقہ علاج میں قرآن وحدیث کی مخالفت، وہ اس طرح کہ اللہ تعالی نے غزوہ احد اور حنین کی ہزیمت کا سب سے پہلا ذمہ دار مسلمانوں کو ہی قرار دیا تھا، اگرچہ کفار نے مسلمانوں کے ساتھ جو کیا سو کیا، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَ تَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ﴾ (آل عمران 152) ترجمہ: "بلاشبہ اللہ نے جو تم سے وعدہ کیا تھا اسے پورا کر دیا جب کہ تم (جنگ احد میں) کافروں کو اللہ کے حکم سے خوب قتل کر رہے تھے تا آنکہ تم نے بزدلی دکھلائی اور (نبی کے) حکم میں جھگڑنے لگے۔ اور اپنی پسندیدہ چیز (مال غنیمت) نظر آ جانے کے بعد تم نے (اپنے سردار کے حکم کی) نافرمانی کی"۔ اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَّيَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـــًٔا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ﴾ (التوبہ 25) ترجمہ: "اور حنین کے دن (بھی تمہاری مدد کی تھی) جبکہ تمہیں اپنی کثرت پر ناز تھا مگر وہ کثرت تمہارے کسی کام نہ آئی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہو گئی"۔ اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْھَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ ھُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ﴾ (آل عمران 165) ترجمہ: "بھلا جب (احد کے دن) تم پر مصیبت آئی تو تم چلا اٹھے کہ "یہ کہاں سے آ گئی؟" حالانکہ اس سے دوگنا صدمہ تم کافروں کو

پہنچ چکے ہو۔؟ آپ ان مسلمانوں سے کہئے کہ: یہ مصیبت تمہاری اپنی ہی لائی ہوئی ہے"۔

❁ اس طرز فکر سے مسلمانوں کے دلوں میں کفار کی ہیبت بیٹھ جائے گی اور وہ مزید بزدل ہوتے جائیں گے۔

❁ اس طرز فکر میں اپنی پاکیزگی کا دعوی ہے، یعنی ہم نے توحید باری تعالی کا قیام، اللہ تعالی کے احکامات کی تابعداری اور اس کے حرام کردہ امور سے مکمل اجتناب کر کے اپنے لئے اللہ کی جانب سے مدد ونصرت کی تمام شروط کو پورا کر دیا ہے، لیکن کفار ہم پر غالب آ گئے ہیں!۔ ایسی سوچ میں مبتلا ہو کر ہم عقیدہ اور سنت کی دعوت اور اس پر لوگوں کی تربیت کے پہلو سے غفلت کے مرتکب ہو سکتے ہیں۔

❁ بہت ممکن ہے کہ یہ طرز فکر لوگوں کے دلوں میں ایک انتہائی خطرناک سوچ کو پروان چڑھائے جو انہیں دائرہ اسلام سے خارج کر کے کفر کے اندھیروں میں دھکیل دے۔ اللہ تعالی ہمیں کفر سے محفوظ رکھے۔ اور وہ سوچ یہ ہے کہ اللہ تعالی نے مسلمانوں کی مدد اور نصرت کا اپنا وعدہ پورا نہیں کیا اور کفار اللہ تعالی کے معاملہ پر غالب آ گئے جبکہ اللہ تعالی کا فرمان یہ ہے کہ: ﴿وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ (یوسف 21) ترجمہ: " اور اللہ اپنے حکم (نافذ کرنے) پر غالب ہے۔ لیکن اکثر لوگ یہ بات جانتے نہیں"۔

❁ اس طرح کی سوچ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی توحید میں خلل ہے اور وہ اللہ پر توکل اور یقین میں کمزور ہے جس کی وجہ سے وہ دنیاوی وسائل اور ذرائع کے حصول کی دوڑ میں غرق ہے۔

❁ جھوٹے ذرائع ابلاغ پر اعتماد کرنا چاہے وہ مشرقی ہوں یا مغربی، جس کی وجہ سے کفار کی شان وشوکت میں اضافہ ہوتا ہے اور مسلمان ان کی باتوں کو سچ مانتے ہیں، جبکہ علماء قرآن وحدیث تو ایسے سچے مسلمان کی خبر پر اعتماد نہیں کرتے ہیں جو عادل اور ضابطہ نہ ہو، تو ایک کافر کی بات پر اعتماد کیسے کیا جائے جو کہ اہل اسلام کا دشمن بھی ہے؟، اس کا ایک منفی اثر یہ پڑتا ہے کہ شرعی علم اور اہل علم پر اعتماد ختم ہو جاتا ہے، اور اس کا ایک اور منفی اثر جو کہ انتہائی خطرناک اور لرزہ خیز ہے وہ یہ کہ مسلمانوں کے دلوں میں اپنے دشمنوں کا رعب بیٹھ جاتا ہے، جس کا نتیجہ مغربی سوچ، مغربی طرز حیات اور مغربی معاملات کی پسندیدگی کی صورت میں برآمد ہوتا ہے، اور یہ رعب اور پسندیدگی، بزدلی، کمزوری اور بسا اوقات اس امت کے دردمندوں کے دلوں میں مایوسی کو جنم دیتی ہے، اور یہ کیفیات بلاشک وشبہ اس اسلامی عقیدہ کے بالکل برعکس ہیں کہ اللہ تعالی کی قوت کو کوئی شکست نہیں دے سکتا اور ہر چیز اللہ تعالی کے احاطہ علم میں ہے، اور اللہ تعالی کی اپنی مخلوق کے لئے مخصوص شرائط ہیں، جب بھی وہ مکمل رو بعمل ہوں گی تو اللہ تعالی مسلمانوں کی ضرور مدد فرمائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''ایک مہینہ کی مسافت پر موجود

میرے دشمنوں پر رعب طاری کرکے میری مدد کی جاتی ہے"①۔

3 اوّلیات (اولین حیثیت کے حامل) معاملات کی پہچان نہ رکھنا اور شرعی معاملات میں تساہل برتنا، کیونکہ ایسی دعوت جو سنت پر قائم ہو اس کی تو بنیادی شرط یہ ہے کہ سب سے پہلے اہم ترین معاملہ سے ابتدا کی جائے پھر جو اس کے بعد اہم ہو اس کی دعوت دی جائے، اس طرح کہ سب سے پہلے اخلاص عبادت اور اجتناب شرک کا حکم دے کر اصلاح عقیدہ کی کوشش کرے، پھر اقامت نماز، ادائیگی زکوۃ اور دیگر واجبات کی تعمیل اور حرام کردہ امور سے بچنے کا حکم دے، جیسا کہ تمام رسولوں کا انداز دعوت تھا ، اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ﴾ (النحل 36) ترجمہ: "ہم نے ہر امت میں ایک رسول بھیجا (جو انہیں یہی کہتا تھا) کہ محض اللہ کی عبادت کرو اور طاغوت سے بچو"۔ اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ (الانبیاء 25) ترجمہ: "اور آپ سے پہلے ہم نے جو بھی رسول بھیجا اس کی طرف یہی وحی کرتے رہے کہ "میرے سوا کوئی الہٰ نہیں۔ لہذا صرف میری ہی عبادت کرو"۔ اور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے: "تو سب سے پہلے تم لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی کی جانب دعوت دو، اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول کرلیں تو پھر انہیں یہ تعلیم دو کہ اللہ تعالی نے ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں"②۔ اور اس بات میں کوئی مسلمان شک نہیں کرسکتا کہ دعوت کے میدان میں نبی ﷺ کا طریقہ کار اور آپ ﷺ کی سیرت ہی بہترین رہنما اور منہج کامل ہے، جیسا کہ نبی ﷺ مکہ میں دس سال تک دعوت الی اللہ کے فرض کی انجام دہی کرتے رہے، آپ ﷺ لوگوں کو توحید کی جانب بلاتے اور شرک سے منع کرتے رہے، قبل اس کے کہ آپ ﷺ انہیں نماز، زکوۃ، روزہ اور حج کا حکم دیتے، اور قبل اس کے کہ آپ انہیں سود، زنا، چوری اور قتل وغارت گری سے منع فرماتے، تو لہذا یہی توحید ہی دین اسلام کی اصل غرض و غایت ہے۔

4 ایک اور برا نتیجہ غلو کی صورت میں نمایاں ہوا ہے، اس خود سر اور ہوش سے عاری دعوت کا یہ نتیجہ تو حتمی تھا، ایسی دعوت جس میں علماء کی مستند تحریروں کے اوراق خلط ملط کردئے جائیں اور اوائل معاملات کی تمیز باقی نہ رہے، آپ دیکھئے کہ ایسے مسلمان ممالک جہاں شریعت کا نفاذ نہیں ہے وہاں تیزی سے پھیلتی تحریک نے معمولات زندگی کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے، اور اس تحریک میں ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ اس میں گناہوں سے بیزاری کا رجحان ہوتا جس میں سر فہرست شرک ہے، اور اس تحریک کے زیر اثر فسق وفجور اور دیوانگی سے معاشرے کو پاک کیا جاتا، لیکن اس بانجھ تحریک کے انتشار نے ان ممالک میں

---

① صحیح بخاری (کتاب التیمم۔ 328) صحیح مسلم (کتاب المساجد۔ 521)

② صحیح بخاری (کتاب الزکوۃ۔ 1395)، صحیح مسلم (کتاب الایمان۔ 19)

تکفیر کی برائی کو جنم دیا، اور اس تکفیر کی زد میں حکمران طبقہ براہ راست آتا ہے اور اس تکفیر کی وسعت پذیری کے نتیجہ میں عوام بھی اس کی زد میں آجاتے ہیں، اور یہ غلو انسان کو عجلت اور جلد بازی کی جانب لے جاتا ہے اور یہی آج کل کے داعیوں کا سب سے بڑا مسئلہ ہے، جبکہ اہل علم کا اصول یہ ہے کہ: "جو شخص کسی چیز کی قبل از وقت جلدی کرے تو اس کی سزا یہ ہے کہ اسے اس چیز سے محروم کر دیا جائے"۔

5 جمہوریت اور اس کے گھٹیا طور طریقوں پر رضامند ہو جانا، اور یہ وہ خطرناک ترین معاملہ ہے جس میں آج کل کے ایسے داعی ملوث ہو چکے ہیں جن کی دعوت کی بنیاد قرآن وحدیث پر نہیں ہے، یہ داعی ایک دوسرے کو جمہوریت کی طرف یہ کہہ کر بلاتے ہیں کہ: اگر تم پارلیمنٹ کے ذریعہ جمہوریت کا حصہ نہیں بنو گے تو یہ کمیونسٹ اور سیکولر قسم کے لوگ اس پارلیمنٹ پر قابض ہو جائیں گے۔

اس بات کا جواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے: یہ دین حنیف سے منحرف اور گمراہ لوگ پارلیمنٹ میں جاتے ہیں تو شوق سے جائیں، یہ شریعت کی نظر میں اس بات سے بہت بہتر ہے کہ ایسے داعی اس پارلیمنٹ کا حصہ بنیں جو اسلام کی نمائندگی کرتے ہیں، اور اس کی دو وجوہات ہیں:

جمہوری انتخابات کے ذریعہ سے پارلیمنٹ میں اشتراک کے دو بڑے نقصان

1 پارلیمنٹ میں اشتراک درحقیقت جمہوریت، ارباب جمہوریت اور اسالیب جمہوریت پر رضامند ہونے کے مترادف ہے، اور یہ بعینہ اہل باطل کے ساتھ اشتراک ہے، اور اس سے اللہ تعالی نے اپنے اس فرمان کے ذریعہ کتاب حکیم میں ہمیں منع فرمایا ہے کہ: ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ (النساء 140) ترجمہ: "اللہ تعالی اپنی کتاب میں یہ حکم پہلے نازل کر چکا ہے کہ جب تم سنو کہ آیات الہی کا انکار کیا جا رہا ہے اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہے تو وہاں ان کے ساتھ مت بیٹھو تا آنکہ یہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں، ورنہ تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو جاؤ گے"۔

اور اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ سیکولر لوگ عام مسلمانوں میں اس طرح اچھی شہرت حاصل کر لیتے ہیں کہ وہ عام لوگوں کو پارلیمنٹ میں آنے اور حکومت میں اشتراک کی دعوت دیتے ہیں، پھر یہ مسلمان انہی داعیوں سے یہ پوچھ سکتے ہیں کہ: اگر تم ان گمراہ سیکولر لوگوں کے ساتھ بیٹھتے ہو اور حکومت کا حصہ بنتے ہو تو انہیں برا بھلا کیوں کہتے ہو؟، اور یہ بات قول و فعل میں تضاد کی موجب ہے، جبکہ اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ﴾ (الصف 2) ترجمہ: "اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو تم کرتے نہیں"۔ اور اللہ تعالی کا فرمان ہے: ﴿اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ (البقرۃ 44) ترجمہ: "تم لوگوں کو تو نیکی کا حکم کرتے ہو مگر اپنے آپ کو

بھول ہی جاتے ہو حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو؟ کیا تم کچھ بھی عقل سے کام نہیں لیتے ؟" ۔تو ہم عوام کے سامنے ہر موقع پر یہ بات کیوں کرتے ہیں کہ " اللہ تعالی کے نازل کردہ احکامات کے بغیر ہر حکم باطل ہے"، پھر یہی عوام ہمیں ایسے معاملہ میں ملوث پاتے ہیں جس سے ہم عوام کو روک رہے ہیں، تو اس کا آخر اور کیا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے؟[1] ۔

2 اس میں دین کا اجمالاً اور تفصیلاً، عقیدہ و شریعت الغرض ہر پہلو سے ضیاع ہے اور اس سے علماء دین کی انفرادیت اور امتیاز بھی ختم ہو جاتا ہے، ایک وہ دن تھا جب وہ اس گندی سیاست سے الگ تھلگ کنارہ کشی اختیار کئے ہوئے تھے اور اپنے اردگرد ہونے والی سیاسی جہالت سے دور تھے، لوگوں کے ہاں ان کا تعارف یہ تھا کہ دنیا کے حصول کے لئے ہونے والے تمام سیاسی جوڑ توڑ سے علیحدہ رہنے والے یہ وہ لوگ ہیں جن کا مقصد بہت اعلی اور عظیم ہے، یہاں ہمیں سیاست کے شرعی مفہوم اور عصر حاضر کی سیاست (کے درمیان فرق) کی وضاحت ہونی چاہئے، اس (فرق کی وضاحت) سے متعلق ہم یہ کہیں گے کہ صحیح بخاری و مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " بنی اسرائیل کی سیاست ان کے انبیاء کے ہاتھ میں تھی، جب بھی کوئی نبی فوت ہوتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی آجاتا، اور بات یہ ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور عنقریب خلفاء ہوں گے اور بہت کثرت سے ہوں گے" ،صحابہ کرام نے دریافت کیا: تو آپ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " پہلے کی بیعت سے وفا کرو اور پھر اس کے بعد جو آئے اس کی بیعت پوری کرو، ان کو ان کا حق پورا دو، کیونکہ بے شک اللہ تعالی ان سے ان کی رعیت کے متعلق ضرور سوال کرے گا"[2] ۔لہذا سیاست کی شرعی تعریف یہ ہے کہ " امور امت کی رعایت ونگہبانی کرنا" ، اور آیات قرآن اور فرامین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اسلام نے اسی غرض وغایت کو مکمل کیا ہے۔

اس شرعی سیاست کو عصر حاضر میں لاگو کرنے کے لئے موجودہ حالات کا جائزہ لیا جائے تو دو قسم کے احوال سامنے آتے ہیں:

1 ایسے معاملات وحوادث جو ظاہر ہیں اور واقع ہو چکے ہیں، ان واقعات و معاملات کے حوالہ سے واضح دلائل و براہین کے ذریعہ حکم الہی بیان ہو چکا ہے، لہذا اس حکم کو حتی الامکان نافذ کیا جائے گا۔

2 ایسے معاملات جو متوقع ہیں، گمان کی سرحد سے باہر نہیں نکلے بلکہ صرف تجزیوں اور احتمال کی فہرستوں میں موجود ہیں، بلکہ بسا اوقات تو صرف خیالات کی حد تک ہی رہتے ہیں، تو ایسے معاملات میں قدرے احتیاط سے کام لینا چاہئے کیوں کہ ان معاملات کی کوئی بنیاد یا اساس نہیں ہے، اور موجودہ سیاست کے اکثر مسائل اسی قسم کے ظنی معاملات پر مبنی ہیں، لیکن

---

[1] یقیناً اس کا نتیجہ علماء دین سے بدظنی، دعوت دین سے دوری، سیکولر لوگوں پر بھرپور اعتماد اور ان کے متعلق حسن ظن کی صورت میں ہی نکل سکتا ہے اور آج اس نتیجہ کا ہم اپنے ملک میں واضح طور پر مشاہدہ کر سکتے ہیں۔

[2] صحیح بخاری (کتاب الانبیاء-2455)، صحیح مسلم (کتاب الامارۃ-1842)

یہ چیز ہمیں احتیاط کا دامن تھامنے اور چوکنا رہنے سے مانع نہیں ہونی چاہئے۔

بہر حال اسلام میں سیاست کا اپنا ایک مفہوم ہے جو ذرائع ابلاغ میں پیش کی جانے والی سیاست سے بالکل مختلف ہے۔

ایک اور بدنتیجہ کی صورت یہ بنی کہ ایسے خطبا جو محض زبان وادب سے واقف ہیں انہیں علماء کے ساتھ لا کھڑا کیا گیا، اور یہ ایک ایسا نازیبا اختلاط ہے جس کی بنا پر مسائلِ عبادت، اور احکام واوامرِ شریعت ایسے افراد سے سیکھے جانے لگے جو اس کے لئے قطعی نااہل تھے، بہت سے اسلامی ممالک میں جب ایک خطیب ریڈیو پر خبریں سننے، یا کسی اخبار کی شہ سرخیاں پڑھنے یا ٹی وی پر نظر دوڑانے کے بعد منبر پر براجمان ہوتا ہے تو انہی پڑھی اور سنی ہوئی خبروں کے زیر اثر خوب گرجتا اور برستا ہے، بھڑکاتا اور دھمکاتا ہے، اور چونکہ نوجوانوں کے جذبات بھی اسی قسم کے ہوتے ہیں، تو یہ خطیب ان جذباتی لوگوں کی غیرت اور حمیت سے خوب کھیلتا ہے، لیکن جذبات کا اظہار کرنے، جوش بھڑکانے اور غیرت دلانے کا یہ کوئی شرعی طریقہ نہیں ہے۔

ایسے جوشیلے خطبا کو علماء کی صف میں شمار کرنے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ پھر یہ خطیب اپنے خوبصورت تجزیوں، شیریں بیانی اور چرب زبانی کی وجہ سے ان جذباتی نوجوانوں کی نظر میں ایسا عالمِ ربانی بن جاتا ہے جسے کسی کی پروانہیں، جبکہ درحقیقت وہ محض ایک خطیب سے بڑھ کر کچھ نہیں، اور جبکہ وہ عالم جو انبیاء کا حقیقی وارث ہے، جس نے اپنی عمر کا طویل عرصہ قرآن وحدیث پڑھتے پڑھاتے گزارا ہے، اور وہ اب احکامات کا صحیح فہم اور دلائل کی اچھی طرح معرفت رکھتا ہے اسے یہ تہمت لگا کر کہ یہ تو حالات حاضرہ سے واقف ہی نہیں نوجوانوں سے دور اور تنہا کر دیا جاتا ہے، جبکہ علماء پر حالات حاضرہ سے عدم واقفیت کی تہمت لگانا یکسر باطل ہے۔

سبحانك اللّٰهُمَّ و بحمدك أشهد أن لا اله الا أنت أستغفرك و أتوب اليك